بفیضانِ نظر: مفتی تقدس علی خاں رحمۃ اللہ علیہ * پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ * علامہ شمس الحسن شمس بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

بانیِ ادارہ: مولانا سید محمد ریاست علی قادری رحمۃ اللہ علیہ

محسنِ ادارہ: الحاج شفیع محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

ISBN 978-969-9266-04-1

مفکرِ اسلام امام احمد رضا حنفی کے اصلاحی و تحقیقی افکار کا ترجمان

ماہنامہ معارفِ رضا کراچی

جلد : 32 شمارہ : 04

اپریل ۲۰۱۲ء / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ

مدیرِ اعلیٰ: صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

مدیر: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

نائب مدیر: پروفیسر دلاور خاں

حُسنِ ترتیب (شمارہ اپریل ۲۰۱۲ء)

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل

25-جاپان مینشن، ریگل، صدر، جی پی او صدر، کراچی-74400، اسلامی جمہوریہ پاکستان۔

فون: +92-21-32725150 فیکس: +92-21-32732369

ای میل: imamahmadraza@gmail.com

ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

ہدیہ فی شمارہ: 40 روپے

سالانہ: عام ڈاک سے: -/400 روپے

رجسٹرڈ ڈاک سے: -/800 روپے

بیرونِ ممالک: 40 امریکی ڈالر سالانہ

نوٹ: رقم دستی یا منی آرڈر / بینک ڈرافٹ بنام "ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا" ارسال کریں، چیک قابلِ قبول نہیں۔
ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 45-5214۔ حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

(پبلشر مجید اللہ قادری نے باہتمام حریت پرنٹنگ پریس، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی سے چھپوا کر دفتر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل سے شائع کیا۔)

تقدیسِ اُلوہِیَّت اور امام احمد رضا بریلوی

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری (لاہور، پاکستان)

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز چودھویں صدی ہجری کے وہ یکتائے روزگار عالمِ دین ہیں کہ تبحر علمی، وسعت، قوتِ استدلال اور کثرتِ تصانیف میں ان کے معاصرین سے لے کر آج تک دنیا بھر میں کوئی ان کا مد مقابل دکھائی نہیں دیتا، پچاس سے زیادہ علوم وفنون میں ان کی تصانیف ہمارے دعوے پر شاہد عادل ہیں، جس موضوع پر قلم اٹھایا اس پر دلائل کے انبار لگادیے۔ان کی کسی بھی تصنیف کا مطالعہ کر لیجیے، یوں محسوس ہوگا کہ عرصے کی تحقیق اور مطالعے کے بعد یہ تصنیف تیار ہوئی ہوگی، حالانکہ وہ جس موضوع پر لکھتے تھے قلم برداشتہ لکھتے چلے جاتے تھے۔

امام احمد رضابریلوی نے جو کچھ لکھا اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیبِ اکرم ﷺ کی رضا وخوشنودی کے پیش نظر لکھا، نام ونمود سے قطعاً غرض نہ رکھی، یہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف مکمل طور پر آج تک شائع نہیں ہو سکیں، ورنہ وہ چاہتے تو اپنے صاحبِ ثروت عقیدت مندوں سے امداد لے کر اپنی زندگی میں ہی اپنی تمام تصانیف شائع کروا دیتے۔ ایک دفعہ کسی امیر کبیر عقیدت مند نے آپ کی دعوت کی، جسے آپ نے قبول کرلیا، ایک صاحب نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہہ دیا کہ اب تو فتاویٰ رضویہ کی اشاعت کا انتظام ہوجائے گا، یہ بات آپ کے گوش گزار کی گئی تو آپ نے دعوت ہی منسوخ کردی، لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اخلاص ضائع نہیں جاتا۔ اخلاص ہی کی برکت ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ امام احمد رضابریلوی کی مقبولیت میں اضافہ ہورہاہے اور محققین ان کی نگارشات اور ان کے کارناموں کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں، دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں ان پر تحقیقی کام کیا جارہاہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ۔یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطافرماتاہے۔

آج جب کہ محسوس کیا جارہاہے کہ امام احمد رضا بریلوی پر بہت کام ہوچکاہے، حقیقت یہ ہے کہ ابھی ان کی تحقیقات کے بہت سے پہلوؤں پر کام کا آغاز بھی نہیں ہوا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قدیم اور جدید علوم کے ماہرین کا ایک بورڈ تشکیل دیا جائے جو آپ کی تمام تصانیف کا جائزہ لے اور ان پر تحقیق کرے، اور اس تحقیق کو اُردو، عربی اور انگریزی میں شائع کیا جائے، تب صحیح طور پر علمی دنیا کو امام احمد رضا بریلوی کے علمی مقام سے روشناس کرایا جا سکے گا۔

امام احمد رضابریلوی نے تمام عمر فقہِ حنفی کے مطابق فتویٰ دیا۔ ان کی نادر تحقیقات فتاویٰ رضویہ کی بارہ جلدوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔خوشی کی بات ہے کہ رضا فاؤنڈیشن لاہور کی طرف سے فتاویٰ رضویہ کے شایان شان طباعت کی جارہی ہے، جس میں عربی عبارات کے ترجمہ، حوالہ جات کی نشاندہی، پیرابندی، نئی کتابت، عمدہ کاغذ، طباعت اور جلد بندی کا اہتمام کیا جارہاہے۔[الحمد اللہ نئی طباعت کے بعد فتاوٰی کا یہ مجموعہ ۳۱جلدوں پر مشتمل ہے جبکہ فہارس اور اشاریہ پر مشتمل جلدیں علیحدہ شائع ہوئی ہیں۔ اس طرح یہ عظیم مجموعہ ۳۳جلدوں پر پیش کیا جاچکاہے نیز فتاوٰی رضویہ کا یہ مجموعہ سی ڈی کی صورت میں اور انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہے۔عبید] اس کے علاوہ امام احمد رضا کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے لاکھوں مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب، سید العالمین ﷺ کی محبت کی شمعیں فروزاں کیں اور ناموسِ رسالت کی حفاظت کے لیے مردانہ وار علمی اور قلمی جہاد کیا۔ یہ وہ کارنامے ہیں جنہیں ان کے مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں، اور ان موضوعات پر کافی تحقیق بھی کی جاچکی ہے۔

آج کی اس بابرکت نشست میں مختصر طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ امام احمد رضابریلوی نے اللہ تعالیٰ کی تقدیس وتمجید کے بارے

میں بھی کچھ کم کام نہیں کیا، اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کیا جائے تو مبسوط مقالہ تیار کیا جاسکتا ہے۔

حضراتِ گرامی! کلمۂ طیبہ لاالہ الّہ الله محمد رسول الله کائنات کی وہ عظیم اور بے بیش بہا نعمت ہے جس کو تصدیق وایقان اور تسلیم و رضا سے قبول کرکے پڑھتے ہی کافر مسلمان ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کا مستحق، ابدی نعمتوں کا حق دار قرار پاتا ہے، لیکن مسلمان کی زندگی کا یہ پہلا مرحلہ ہے۔

دوسرا مرحلہ جو تمام زندگی پر حاوی ہونا چاہیے یہ ہے کہ ایک مسلمان کی سب سے زیادہ محبت وعقیدت اور وابستگی اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیبِ پاک ﷺ سے ہو، مشاہدہ ہے کہ انسان کو جس کسی سے والہانہ محبت ہو اس کے حق میں معمولی سی توہین و تنقیص برداشت نہیں کرسکتا، تو جس ذاتِ اقدس پر ایمان لایا ہے اور جس کے ساتھ سب سے زیادہ محبت کی ہے اس کے بارے میں ذرہ سی گستاخی، معمولی سی توہین کیسے برداشت کرسکتا ہے؟ اگر برداشت کرسکتا ہے تو وہ دعوائے محبت وایمان میں جھوٹا ہے۔ محبت کا تو بنیادی تقاضا ہی یہ ہے کہ آدمی اپنی جان کی بازی لگادے مگر محبوبِ حقیقی کی آن پر حرف نہ آنے دے۔

بندۂ مومن کی زندگی کا تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیبِ مکرم ﷺ کے احکام اور فرامین پر دل و جان سے عمل پیرا ہو اور اسے اپنی سعادت جانے۔ حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ رباعی پڑھا کرتی تھیں:

تعصی الالٰہ وانت تظهر حبه
هٰذا العمری فی الفعال بدیع
لوکان حبك صادقاً لّاطعته
انّ المحب لمن یحب مطیع

* اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے باوجود تو اس کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے۔
* زندگی دینے والے کی قسم! یہ طرزِ عمل تو نہایت عجیب ہے۔
* اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو ربِّ کریم کی اطاعت کرتا۔
* سچا محب تو محبوب کا فرمانبردار ہوتا ہے۔

آیئے اس مسلّمہ حقیقت کی روشنی میں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کی حیاتِ مبارکہ کا جائزہ لیں۔

امام احمد رضا بریلوی ۱۰، شوال ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء کو بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنی ولادت باسعادت کی تاریخ اس آیتِ کریمہ سے استخراج فرمائی: اولئك کتب فی قلوبهم الایمان وایدهم بروح منه۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا ہے اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعے سے ان کی مدد فرمائی۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ''بحمد اللہ تعالیٰ بچپن سے مجھے نفرت ہے اعداء اللہ سے اور میرے بچوں اور بچوں کے بچوں کو بھی۔ بفضل اللہ تعالیٰ عداوتِ اعداء اللہ گھٹی میں پلادی گئی ہے۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ یہ وعدہ بھی پورا ہوا: اولئك کتب فی قلوبهم الایمان۔ بحمد اللہ تعالیٰ اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا لا الہ الاّ اللہ، دوسرے پر لکھا ہوگا محمد رسول اللہ (جل جلالہ و ﷺ)۔ اور بحمد اللہ ہر بدمذہب پر فتح پائی۔'' [1]

یہ نعمت عظمیٰ اور یہ سعادتِ کبریٰ اللہ تعالیٰ کے حبیب، سید الانبیاء ﷺ کے ذریعے سے میسر ہوئی۔

اے رضا یہ فیض ہے احمد پاک کا
ورنہ ہم کیا جانتے خدا کون ہے؟

ظاہر ہے کہ جس کے دل پر ایمان نقش ہوچکا ہو وہ عظمتِ الٰہی جَلَّ مَجْدُہٗ اور ناموسِ مصطفیٰ ﷺ کی پاسبانی کے لیے شمشیر بے نیام ہوگا اور معمولی سی گستاخی برداشت کرنے کا روادار نہیں ہوگا۔ یہی امام احمد رضا بریلوی کی کتابِ زندگی کا طرۂ امتیاز ہے۔ عملی طور پر دیکھیے تو امام احمد رضا بریلوی کی زندگی اللہ تعالیٰ کے احکام اور نبی اکرم سرورِ دو عالم ﷺ کی تعلیمات اور سنتوں کی آئینہ دار ہے۔

امام احمد رضا بریلوی نے اللہ تعالیٰ کی تقدیس وتمجید کے بارے میں کیا علمی اور قلمی کام کیا ہے؟ اس کی ہلکی سی جھلک آپ اس مقالے میں ملاحظہ فرمائیں گے، ورنہ اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کیا جائے تو مبسوط مقالہ تیار ہوسکتا ہے۔

قدیم فلسفہ، یونانی زبان سے عربی میں منتقل ہوا تو علماءِ اسلام نے

اس کے غیر اسلامی افکار و نظریات کا رد کیا، امام حجۃ الاسلام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "تہافتۃ الفلاسفہ" میں ایسے بیس مسائل منتخب کرکے ان پر تنقید کی، بعد میں امام فخر الدین رازی اور دیگر علماءِ اسلام نے فلاسفہ کی خرافات کو ہدفِ تنقید بنایا۔ دینی مدارس کے نصاب میں فلسفے کی کتابیں داخل کرنے کا مقصد ایک تو ان کی اصطلاحات سے واقفیت تھی، دوسرا مقصد یہ تھا کہ ان کے مخالفِ اسلام نظریات کا کھل کر رد کیا جائے۔

تاہم داخلِ نصاب کتب کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان سے دوسرا مقصد کما حقہ حاصل نہیں ہوتا۔ امام احمد رضا بریلوی نے ۱۳۳۸ھ میں الکمۃ الملھمۃ لکھ کر اس ضرورت کو پورا کردیا، اس میں انہوں نے فلاسفہ کے اکتیس مسائل منتخب کیے جنہیں خود ان کے مسلمہ دلائل سے رد کیا۔

مقالۂ اوّل میں فرماتے ہیں: "اللہ عزوجل فاعل مختار ہے اس کا فعل نہ کسی مرجح کا دست نگر، نہ کسی استعداد کا پابند، یہ مقدمہ نظر ایمانی میں تو آپ ہی ضروری و بدیہی یفعل اللہ مایشاء۔۔۔فعّال لّمایرید۔۔۔لہ الخیرۃ۔۔۔ یوہیں عقل انسانی میں بھی آدمی اپنے ارادے کو دیکھ رہا ہے کہ دو متساویوں میں بے کسی مرجح کے آپ ہی تخصیص کرلیتا ہے، دو جام یکساں ایک صورت، ایک نظافت کے، دونوں میں ایک سا پانی بھرا ہو، اس سے ایک قرب پر رکھے ہوں، یہ پینا چاہے، ان میں سے جسے چاہے اٹھالے۔۔۔۔ پھر اس فعال لمایرید کے ارادہ کا کہنا؟"[۱۲] اس گفتگو کا ہدف فلاسفہ کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعل ہے اور فاعل کی نسبت سب چیزوں کی طرف برابر ہے، لہٰذا دو برابر چیزوں میں سے کسی ایک کو اپنی طرف سے ترجیح نہیں دے سکتا، ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی جو محال ہے۔ اس باطل نظریے پر امام احمد رضا بریلوی نے معقول اور مدلل انداز میں بھرپور تنقید کی ہے، جو اہلِ علم کے پڑھنے کے لائق ہے۔

دوسرے مقام میں فلاسفہ کے اس نظریے پر بحث کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف عقلِ اوّل کو پیدا کیا، باقی تمام جہاں عقول کا پیدا کردہ ہے۔ امام احمد رضا بریلوی نے اسلامی عقیدہ یوں بیان کیا ہے: "عالم میں کوئی نہ فاعل موجب نہ فاعل مختار۔۔۔ فاعل مطلق وفاعل مختار ایک اللہ واحد قہار۔۔۔ یہ مسئلہ بھی نگاہِ ایمان میں بدیہیات سے ہے اور عقلِ سلیم خود حاکم کہ ممکن، آپ اپنے وجود میں محتاج ہے دوسرے پر کیا افاضہ وجود کرے، دو حرف اس پر لکھ دیں کہ راہِ ایمان سے یہ کانٹا بھی باذنہ عزوجل صاف ہوجائے۔"[۱۳] اس کے بعد اس عقیدۂ باطلہ کو بارہ وجوہ سے رد کیا، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا بریلوی کو وہ دانشِ ایمانی ونورانی عطا فرمائی تھی جس کے سامنے کوئی باطل نظریہ نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ ہندوستان کے معروف محقق اور قلم کار جناب شبیر احمد خاں غوری نے بجا طور پر اس کتاب کو عہدِ حاضر کا "تہافتۃ الفلاماسفہ" قرار دیا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی نے فلسفۂ قدیمہ کے رد میں الکلمۃ الملھمۃ اور فلسفۂ جدیدہ (سائنس) کے رد میں "فوز مبین" لکھی، ان دونوں کتابوں کے بارے میں فرماتے ہیں: "مسلمان طلبہ پر دونوں کتابوں کا بغور بالاستیعاب مطالعہ اہم ضروریات سے ہے کہ دونوں فلسفہ مزخرفہ کی شناعتوں، جہالتوں، سفاہتوں، ضلالتوں پر مطلع رہیں اور بعونہٖ تعالیٰ عقائدِ حقۂ اسلامیہ سے ان کے قدم متزلزل نہ ہوں۔"[۱۴]

چند خوانی حکمت یونانیاں
حکمت ایمانیاں راہم بخواں

مسئلۂ امکانِ کذب

اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ واجب الوجود ہے، اس کی صفات اس کی ذاتِ کریم کے لیے اس طرح ثابت ہیں کہ جدا نہیں ہوسکتیں۔ اللہ تعالیٰ کا کلام یقیناً صادق ہے، تو جس طرح صفتِ کلام اس سے جدا نہیں ہوسکتی اسی طرح اس کی سچائی اس کے کلام سے جدا نہیں ہوسکتی، لازمی بات ہے کہ اس کے کلام کے جھوٹا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سلف سے لے کر خلف تک اہلِ اسلام کا یہی عقیدہ رہا ہے، لیکن ہندوستان میں فرنگی اقتدار کے دور میں جہاں دیگر اعتقادی فتنوں نے سر اٹھایا، وہاں یہ فتنہ بھی اٹھا کہ معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے، اگرچہ بولتا نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ عقیدۂ

تقدیسِ اُلُوہِیَّت کے سراسر منافی تھا۔ امام احمد رضا بریلوی اسے کس طرح برداشت کرلیتے؟ چنانچہ اس عقیدۂ باطلہ کے خلاف انہوں نے زبردست علمی اور قلمی جہاد کیا۔

امام احمد رضا بریلوی نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت، رفعتِ شان اور قدوسیت کے بیان کے لیے چھ رسائل تحریر کیے:

۱۔ سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح: جھوٹ ایسے قبیح عیب سے سبوح و قدوس کی ذات پاک ہے۔

۲۔ مزق تلبیس ادعائے تقدیس: دعوائے تقدیس کے فریب کا پردہ چاک۔

۳۔ الھیبۃ الجباریہ علیٰ جھالۃ الاخباریۃ: اخباری جہالت پر رب جبار کی ہیبت۔۔۔ اخبار نظام الملک کے ضمیمہ کا رد۔

۴۔ پیکان جاں گداز بر مکذبان بے نیاز: بے نیاز ہستی کی تکذیب کرنے والوں پر ہلاکت آفرین تیر۔

۵۔ دامان باغ سبحٰن السبوح: سبحٰن السبوح کے باغ کا دامن (ضمیمہ)

۶۔ القمع المبین لآمال المکذبین: تکذیب کرنے والوں کی امیدوں کی واضح پامالی۔

۱۳۰۷ھ میں میرٹھ سے ابو محمد صادق علی مداح نے امام احمد رضا بریلوی کی خدمت میں استفتا کیا کہ آج کل گنگوہ اور دیوبند کے علما مسئلۂ امکانِ کذبِ باری تعالیٰ کا تحریری اور تقریری طور پر اعلان کررہے ہیں۔ "براہینِ قاطعہ" مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کے نام سے چھپی ہے، جس کی تصدیق و تائید مولوی رشید احمد گنگوہی نے اوّل سے آخر تک بغور پڑھ کر کی ہے، اس میں لکھا ہے: "امکانِ کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا، بلکہ قدماء میں اختلاف ہوا ہے کہ خلفِ وعید جائز ہے یا نہیں؟ سوال یہ ہے کہ یہ عقیدہ کیسا ہے؟ اور اس کے قائل کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟"

امام احمد رضا بریلوی نے اس استفتا کا جواب بڑے سائز کے ایک سو چھ صفحات کے رسالے کی صورت میں دیا، اور اس کا تاریخی نام رکھا سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح (۱۳۰۷ھ) ذات سبوح جھوٹ ایسے قبیح عیب سے پاک ہے۔ یہ رسالۂ مبارکہ ایک مقدمہ، چار تنزیہوں اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔

مقدمہ: اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں اسلامی عقیدہ۔

تنزیہ اوّل: جلیل القدر علماءِ اسلام کی تیس عبارات نقل کیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جھوٹ کے محال ہونے پر تمام اہلِ سنّت، اشاعرہ اور ماتریدیہ ہی نہیں بلکہ معتزلہ کا بھی اجماع ہے۔

تنزیہ دوم: کذبِ باری تعالیٰ کے محال ہونے پر تیس دلیلیں، جن سے پانچ ائمۂ کرام اور علمائے عظام نے بیان کیں اور پچیس دلیلیں امام احمد رضا بریلوی نے پیش کیں:

تنزیہ سوم: مولوی اسمٰعیل دہلوی کے رسالہ "یک روزی" پر چالیس تازیانے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے جھوٹ کے ممکن ہونے کا شوشہ اسی نے چھوڑا تھا۔

تنزیہ چہارم: براہینِ قاطعہ میں کہا گیا کہ امکانِ کذب، خلف وعید کی فرع ہے، اس کے رد پر دس قاہر دلیلیں، ضمناً بیان کیے گئے دلائل بھی شمار کیے جائیں تو اکیس دلائل قاہرہ۔

خاتمہ: امکانِ کذب کے قائلین کا حکم اور وہ یہ کہ ان کی صحبت کو آگ سمجھیں ان کے پیچھے نماز ہرگز نہ پڑھیں، اگر نادانستہ پڑھ لی ہو تو دوبارہ پڑھیں، علمائے دین کی ایک جماعت کے مطابق ان پر متعدد وجوہ سے کفر لازم، مگر ہم محتاط علما کی روش پر چلتے ہوئے انہیں کافر نہیں کہتے۔[۵]

اس موضوع پر امام احمد رضا بریلوی کی جملہ تصنیفات کا مطالعہ کرلیجیے، ہر جگہ یقینِ راسخ کا جلوہ دکھائی دے گا، اور ایمانی انوار پھوٹتے ہوئے نظر آئیں گے۔ ایک عام فہم دلیل آپ بھی ملاحظہ فرمائیں، فرماتے ہیں: "کتبِ حدیث و سیر کا مطالعہ کیجیے۔۔۔ بہت خوش نصیب، ذی عقل لبیب، صرف جمال جہاں آرائے حضور، پرنور، سید عالم سرور اکرم مولائے اعظم ﷺ دیکھ کر ایمان لائے۔۔۔ کہ لیس ھذا وجہ الکذابین یہ منہ جھوٹ بولنے کا نہیں۔۔۔ اے شخص یہ اس کے حبیب کا پیارا منہ تھا، جس پر خوبی بہار دوعالم نثار ﷺ۔۔۔ اور پاکی و قدوسی ہے اس کے وجہِ کریم کے لیے۔۔۔ واللہ! اگر آج حجاب اٹھادیں تو ابھی کھلتا ہے کہ اس

وجہِ کریم پر امکانِ کذب کی تہمت کس قدر جھوٹی تھی؟۔۔۔ مخالف اسے دلیل خطابی کہے، کہے، مگر میں اسے حجت ایقانی کالقب دیتا اور مسلمان کی ہدایت ایمانی سے انصاف لیتا اور اپنے رب کے پاس اس دن کے لیے ودیعت رکھتا ہوں یوم ینفع الصٰدقین صدقھم۔۔۔یوم لاینفع مال ولابنون۔۔۔ الاّ من اتی الله بقلب سلیم [۶] (جس دن سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا۔۔۔ جس دن مال کام آئے گا، نہ بیٹے، سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قلبِ سلیم لے کر حاضر ہوا)۔

امام احمد رضا دلائل دینے پر آتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ دلائل وبراہین کا سیلِ رواں جاری ہے، تنقید کرتے ہیں تو مدِّمقابل بے بس، لاچار اور دم بخود کھڑا نظر آتا ہے، تازیانے برساتے ہیں تو جلال کی بجلیاں چمکتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں، کہیں ناصحانہ اور مشفقانہ انداز اختیار کرتے ہیں تو حریر و پرنیاں کاسماں باندھ دیتے ہیں، غرض یہ کہ وہ ہر انداز اور ہر حربہ اختیار کرتے ہیں تاکہ مخالفین میرے ربِّ قدوس پر امکانِ کذب کا دھبہ لگانے سے باز آجائیں۔

نصیحت کا انداز ملاحظہ ہو جس میں ادبی چاشنی بھی ہے اور اخلاص کی حلاوت بھی، فرماتے ہیں: ''ہاں اے وہ سور اخو! جو سر کے دونوں طرف گوہرِ سماعت کے کان بنے ہو۔۔۔ جن پر ہوا کی موجیں نیسان سخن سے بارور ہو کر مہین مہین پھوہار سے آوازوں کا جھالا برساتی۔۔۔ اور ان قدرتی سیپیوں میں ان ننھی ننھی بوندیوں سے سننے کے موتی بناتی ہیں۔۔۔ کیا تم میں کوئی القی السمع وھو شھید (جو کان لگائے اور حاضر دل والا ہو) کے قابل نہیں؟

ہاں اے گوشت کے وہ صنوبری ٹکڑو! جو سینے کے بائیں پہلوؤں میں ملکِ بدن کے تخت نشین ہو۔۔۔ جن کی سرکار میں آنکھوں کے عرض بیگی، کانوں کے جاسوس بیرونی اخبار کے پرچے سناتے۔۔۔ اور خرد کے وزیر، فہم کے مشیر اپنی روشنی تدبیر سے نظم ونسق کے بیڑے اٹھاتے ہیں۔۔۔ کیا تم میں کوئی یستمعون القول فیتّبعون احسنه (جو بات کو سنتے ہیں اور بہترین بات کی پیروی کرتے ہیں کا قائل نہیں؟ جان برادر! یقین جان، تعصبِ باطل واصرار عاطل کا وبال شدید ہے۔۔۔ آج نہ کھلا تو کل کیا بعید ہے؟'' [۷]

اختلاف کا پس منظر اور پیش منظر

مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی نے ''تقویۃ الایمان'' میں لکھ دیا کہ: اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم ''کن'' سے چاہے تو کروڑوں نبی ولی و جن و فرشتے جبرئیل اور محمد ﷺ کے برابر پیدا کرڈالے۔ اس پر بطلِ حریت علامہ فضل حق خیر آبادی نے تنقید کرتے ہوئے کہا کہ سرکار دو عالم ﷺ کی تمام صفاتِ کاملہ میں مثل اور نظیر محال ہے۔

امام احمد رضا بریلوی اس پس منظر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''آپ کو یاد ہو کہ اصل بات کاہے پر چھڑی تھی؟ ذکر یہ تھا کہ حضور پرنور سید المرسلین، خاتم النبیین، اکرم الاولین والاخرین ﷺ کا مثل وہمسر، حضور کی جملہ صفاتِ کمالیہ میں شریک برابر محال ہے، کہ اللہ تعالیٰ حضور کو خاتم النبیین فرماتا ہے، اور ختم نبوت ناقابل شرکت توامکان مثل، مستلزم کذبِ الٰہی اور کذبِ الٰہی محالِ عقلی۔

منــزہ عن شــریکـــــ فی محـاسنه
فجوھــرالحـسن فیـــه غیــر منقسم

اس پر اس سفیہ نے جواب دیا کہ کذبِ الٰہی محال نہیں، ممکن ہے کہ خدا کی بات جھوٹی ہوجائے۔ [۸]

شہیدِ جزیرۂ انڈیمان، علامہ فضل حق خیر آبادی نے ''تقویۃ الایمان'' کی مسئلۂ شفاعت اور امکانِ نظیر سے متعلق عبارت کے رد میں پہلے تین چار صفحات لکھے، مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی نے ''یکروزہ'' میں اس کا جواب دینے کی کوشش کی تو ''تحقیق الفتویٰ'' لکھی، اس کے جواب میں مولوی حیدر علی ٹونکی نے کچھ لکھا تو علامہ نے عظیم الشان کتاب ''امتناع النظیر'' لکھی، اس کتاب کی عظمت و جلالت اور دلائل کی قوت وفراوانی کا یہ عالم ہے کہ آج تک کسی بڑے سے بڑے عالم کو اس کا جواب دینے کی جرأت نہ ہوسکی۔

کچھ ایسا ہی حال امام احمد رضا بریلوی کی تصنیفِ جلیل ''سبحٰن السبوح'' اور دیگر رسائلِ مبارکہ کا ہے کہ آج تک کسی کو ان کا جواب

دینے کی ہمت نہیں ہو سکی۔ کہنے دیجیے کہ ان دونوں نابغہ روزگار ہستیوں نے لاالہ اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کا انسانی طاقت وہمت کے مطابق حق ادا کر دیا۔

امام احمد رضا بریلوی نے پہلے ہی فرمادیا تھا اور صحیح فرمایا تھا: "اس مسئلہ میں فقیر کا ایک کافی و وافی رسالہ مسمّٰی بہ "سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح" مدت ہوئی چھپ کر شائع ہو چکا اور گنگوہیوں، دیوبندیوں وغیر ہم وہابیوں کسی سے اس کا جواب نہ ہو سکا، نہ انشاء اللہ العزیز قیامت تک ہو سکے حقت علیھم کلمۃ العذاب بما کذبوا ربھم وبما کانوا یفسقون۔"[۹]

لدھیانہ کے مولوی محمد بن عبد القادر نے ایک رسالہ "تقدیس الرحمٰن عن الکذب والنقصان" لکھا اور اس میں امکانِ کذب کا دلائل سے سخت رد کیا، حالانکہ وہ دیوبندی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے تھے۔

مولانا عبد السمیع بیدل رامپوری خلیفہ مجاز حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے "انوارِ ساطعہ" میں لکھا: "کوئی جناب باری عزاسمہ کو امکانِ کذب کا دھبا لگاتا ہے۔" اس کا جواب دیتے ہوئے "براہین قاطعہ" میں کہا گیا کہ ہم نے یہ کوئی نیا مسئلہ تو نہیں نکالا خلف وعید میں تو قدیم اختلاف چلا آرہا ہے، اس سے پہلے گزر چکا کہ اول تو محققین خلف وعید کے قائل ہی نہیں اور جو قائل ہیں وہ شدومد سے امکان کذب کا انکار کرتے ہیں، پھر یہ جواب کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟۔۔۔ خلفِ وعید کا معنٰی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن گناہوں پر سزا سنائی ہے انہیں معاف فرمادے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بے شمار مجرموں کو معاف فرمادے گا، اب اگر خلف وعید کا معنٰی جھوٹ ہے تو معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بالفعل جھوٹا ہو جائے گا، اور یہ یقینی بات ہے کوئی مسلمان ایسا عقیدہ نہیں رکھ سکتا۔

بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی، ایک شخص کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جھوٹ واقع ہے، نعوذباللہ من ھذہ العقیدۃ الخبیثۃ، اس کے بارے میں مولوی رشید احمد گنگوہی سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس شخص کو کوئی سخت کلمہ نہ کہنا چاہیے۔ اللہ اکبر! لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس سے بڑھ کر کیا اندھیر ہو گا اور کیا گمراہی ہو گی؟

مولانا نذیر احمد خاں لکھتے ہیں: "رسالہ صیانۃ الناس" مطبوع مطبع حدیقۃ العلوم، میرٹھ ۱۳۰۷ھ کے آخری ورق میں یہ فتویٰ مولوی رشید احمد گنگوہی کا مطبوع ہو چکا ہے اور ان کے ہاتھ کا اصل فتویٰ لکھا ہوا ان کی مہر کی ہوئی بھی ہمارے پاس موجود ہے اس کی عبارت تھوڑی سی یہ ہے: "بعض علما وقوعِ خلفِ وعید کے قائل ہیں اور یہ بھی واضح ہے کہ خلف وعید خاص ہے اور کذب عام ہے، کیونکہ کذب بولتے ہیں خلافِ واقع کو، سو وہ گاہ وعید ہوتا ہے، گاہ وعدہ، گاہ خبر اور سب کذب کے انواع ہیں اور وجود نوع کا جنس کو مستلزم ہے، اگر انسان ہو گا تو حیوان بالضرور ہو گا، لہٰذا وقوعِ کذب کے معنٰی درست ہو گئے، اگرچہ بضمن کسی فرد کے ہو، پس بناءً علیہ اس ثالث کو کوئی سخت کلمہ نہ کہنا چاہیے۔"[۱۰] اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی دیکھیے کہ ایسے لوگوں پر آسمان نہیں ٹوٹ پڑا!

یاد رہے کہ "براہین قاطعہ" دراصل مولوی رشید احمد گنگوہی کی تصنیف ہے جو مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کے نام سے شائع ہوئی۔ حکیم عبد الحی لکھنوی، مولوی رشید احمد گنگوہی کی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "والبراھین القاطعۃ فی الدر علی الانوار الساطعۃ للمولوی عبد السمیع الرامفوری، طبع باسم الشیخ خلیل احمد السھارنفوری۔"[۱۱] مولوی عبد السمیع رامپوری کی تصنیف انوارِ ساطعہ کا رَد براہین قاطعہ، یہ کتاب مولوی رشید احمد گنگوہی کی تصنیف ہے، لیکن مولوی خلیل احمد سہارنپوری کے نام سے چھپی۔

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی جامعہ عباسیہ (اب جامعہ اسلامیہ) بہاولپور میں مدرس تھے، جونہی براہینِ قاطعہ چھپی اس کی قابل اعتراض عبارات کی بنا پر علماءِ اہلِ سنت نے شدید ردِّ عمل کا اظہار کیا، قصور کے نامور فاضل جلیل مولانا غلام دستگیر قصوری نے انبیٹھوی صاحب کو مناظرے کا چیلنج دیا، ماہِ شوال ۱۳۰۶ھ میں بہاولپور جاکر مناظرہ کیا اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کو شکستِ فاش دی؛ مناظرے کے حکم نواب محمد صادق عباسی والی بہاولپور کے پیرو مرشد حضرت خواجہ غلام فرید، چاچڑاں شریف تھے، انہوں نے فیصلہ دیا کہ دیوبندی علما کے عقائد ان وہابی علما سے ملتے

ہیں جو برِّ صغیر میں خلفشار کا باعث بنے ہوئے ہیں، اس فیصلے کے بعد نواب صاحب نے مولوی خلیل احمد کو ریاست سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ اس مناظرے کی روئداد "تقدیس الوکیل" کے نام سے چھپ چکی ہے، جس پر علمائے حرمین شریفین کے علاوہ شیخ الدلائل مولانا عبدالحق مہاجر مکی اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی تصدیقات ثبت ہیں۔ [۱۲]

استاذِ زمن مولانا احمد حسن کانپوری نے امکان کذب کے رد میں رسالۂ مبارکہ "تنزیه الرحمٰن عن شابته الکذب والنقصان" لکھا، اس کے جواب میں مولوی محمود حسن دیوبندی نے "جہد المقل" دو جلدوں میں لکھی، جس میں انہوں نے نہ صرف جھوٹ کو اللہ تعالیٰ کے لیے ممکن قرار دیا، بلکہ تمام عیوب اور قبائح کو ممکن قرار دے دیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں: "افعال قبیحہ کو مثل دیگر ممکنات ذاتیہ، مقدور باری، جملہ اہل حق تسلیم فرماتے ہیں، کیونکہ خرابی ہے تو ان کے صدور میں ہے، نفس مقدوریت میں اصلاً کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔" [۱۳]

ایسے ہی ایک قول پر امام احمد رضا بریلوی کی تیز تنقید ملاحظہ ہو: "کیسی صاف روشن تصریح ہے کہ نہ صرف کذب بلکہ ہر عیب و آلائش کا خدا میں آنا ممکن، واہ بہادر! کیا نیم گردش چشم میں تمام عقائد تنزیہ و تقدیس کی جڑ کاٹ گیا، عاجز، جاہل، احمق، کاہل، اندھا، بہرا، گونگا، سب کچھ ہونا ممکن ٹھہرا، کھانا پینا، پاخانہ پھرنا، پیشاب کرنا، بیمار پڑنا، بچہ جننا، اونگھنا، سونا بلکہ مر جانا، مر کے پھر پیدا ہونا سب جائز ہو گیا۔ غرض اصول اسلام کے ہزاروں عقیدے جن پر مسلمانوں کے ہاتھ میں یہی دلیل تھی کہ مولیٰ عزوجل پر نقص و عیب محال بالذات ہیں دفعۃً سب باطل و بے دلیل ہو کر رہ گئے۔" [۱۴]

مولانا حکیم سید برکات احمد ٹونکی نے عربی میں "الصمصام القاضب لراس المفتری علی اللہ الکذب" اور مولانا مفتی محمد عبداللہ ٹونکی نے "عجالة الراکب فی امتناع کذب الواجب" لکھ کر عقیدۂ امکانِ کذب کا ردِّ بلیغ فرمایا۔

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے چھ قیمتی رسائل لکھ کر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عظمت و جلالت کے پرچم لہرا دیے، اور اس کی تنزیہ و تقدیس کے ایمان افروز بیانات سے مسلمانوں کے دلوں کو ہی نہیں دماغوں کو بھی روشن کر دیا۔ ان کے باطل شکن دلائل کا مطالعہ کرتے وقت روح پر اہتزازی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، بلا شبہہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے جھوٹ اور دیگر عیوب و نقائص کو ممکن مان کر بلند بانگ دعوے کرنے والوں کے منہ میں لگام دیدی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر انور پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ ظفر الدین بہاری، ملک العلماء، حیات اعلیٰ حضرت (طبع کراچی) ص ا۔
۲۔ امام احمد رضا بریلوی، الکلمۃ الملھمۃ (طبع ملتان)، ص ۸۔
۳۔ امام احمد رضا بریلوی، الکلمۃ الملھمۃ، ص ۶۲۔
۴۔ امام احمد رضا بریلوی، الکلمۃ الملھمۃ، ص ۶۔
۵۔ امام احمد رضا بریلوی، سبحٰن السبوح (نوری کتب خانہ، لاہور) ص ۴۔ ۱۰۳۔
۶۔ امام احمد رضا بریلوی، سبحٰن السبوح، ص ۲۷۔
۷۔ امام احمد رضا بریلوی، سبحٰن السبوح، ص ۳۴۔
۸۔ امام احمد رضا بریلوی، سبحٰن السبوح، ص ۸۹۔
۹۔ محمد بن عبد القادر، مولوی، تقدیس الرحمٰن (مطبع صحافی، لاہور) ص ۸۔ ۳۔
۱۰۔ نذیر احمد خان، مولانا، امطار الحق (طبع بمبئی)، ص ۳۱۔
۱۱۔ عبد الحی لکھنوی، مؤرخ۔ نزھۃ الخواطر (طبع کراچی)، جلد ۸، ص ۱۵۱۔
۱۲۔ محمد عبدالحکیم شرف قادری، تذکرہ اکابر اہل سنت (مکتبہ قادریہ لاہور)، ص ۳۰۸۔
۱۳۔ محمود حسن دیوبندی، جہد المقل (مطبع بلالی، ساڈھورہ)، ج ا، ص ۴۱۔
۱۴۔ امام احمد رضا بریلوی، سبحٰن السبوح، ص ۴۲۔

✖ ✖ ✖ ✖ ✖

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروروں درود
(حدائق بخشش)

عہدِ حاضر کا تہافت الفلاسفہ

علامہ شبیر احمد غوری (علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، انڈیا)

ادارتی نوٹ: حضرت العلام اپنے اِس مقالے کے آخر میں بڑے انکسار کے ساتھ فرماتے ہیں کہ "اور کسی بے دست وپاہی کو اتنی توانائی بخش دے جو وہ اس کڑی کمان کو زہ کرسکے۔" "کسی" کے حجاب میں جو "نکرہ معین" ہے وہ حضرت علامہ ہی کی ذات والا صفات ہے "وہ بے دست وپا نہیں" بلکہ "با دست وپا ہیں"۔ اس کڑی کمان کو زہ کرنے کی توانائی قدرتِ الٰہی نے ان کو عطا فرمائی ہے، ہاں وہ حسان العجم خاقانی کی طرح دعویٰ نہیں کرتے۔ ع "کنوں صد فلسفی فلسے نیرزد پیش امکانش" لیکن اس عہدِ "کم یابی" میں اطراف واکناف کی جانب جب نگاہ دوڑاتا ہوں تو میرا وجدان شہادت دیتا ہے کہ فاضل مقالہ نگار اس مصرع کے مصداق ہیں۔ اس لیے تشنگانِ علم کو اعلیٰ حضرت کے بحر کرم سے اسی "سحابِ رحمت" کے توسط سے چند ترشحات کی توقع ہوسکتی ہے۔ (اشاعتِ اول)

(الف)

تہافت الفلاسفہ الغزالی

امام غزالی کا "تہافت الفلاسفہ" ہمارے کلامی ادب کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ چنانچہ تصنیف کی عظمت وجلالتِ قدر کا اعتراف دنیا نے اس طرح کیا کہ مصنف کو "امام حجۃ الاسلام" کے لقب کا مستحق قرار دیا۔

کلامی کاوش کا ایک بڑا مقصد غیر اسلامی افکار وتصوّرات، بالخصوص فلسفے کی ہفوات واباطیل کی تردید وتنقیص رہا ہے۔ چنانچہ علامہ تفتازانی نے "شرح عقائد نفسی" میں لکھا ہے: "لما نقلت الفلسفة عن اليونانية الى العربية وخاض فيها الاسلاميون۔۔۔ حاولوا الرد على الفلاسفة فيما خالفوا فيه الشريعة۔۔۔ وهذا كلام المتاخرين" ترجمہ: "جب فلسفہ یونانی زبان سے عربی میں منتقل ہوا اور مفکرین اسلام نے اس میں غور وفکر کیا۔۔۔ تو فلسفے کے (ان مسائل کے) رد کی کوشش کی جن میں وہ شریعت (حصّۂ اسلامیہ) سے مختلف ہیں۔۔۔ اور یہی "کلامِ متاخرین" ہے۔"

مگر جس انداز میں امام غزالی نے اس فریضے کو انجام دیا وہ کلامی تفکیر کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ بے شک امام رازی اپنے جوشِ استدلال کے لیے مشہور ہیں، مگر الفضل للمتقدم۔ ابن خلدون کہتا ہے: "اول من كتب في طريقة الكلام على هذا المنحى الغزالي وتبعوه الامام ابن الخطيب وجماعة وقفوا اثرهم" ترجمہ: "پہلے فاضل جنہوں نے کلامی مسائل کو اس انداز پر لکھا امام غزالی تھے۔ انہیں کا خطیب زادہ (امام رازی) اور دوسرے لوگوں نے اتباع کیا اور ان کے نقشِ قدم پر چلے۔"

"تہافت الفلاسفہ" جس زمانے میں لکھی گئی اس وقت چند در چند وجوہ سے طبائع پر نام نہاد "حکمتِ یونانیاں" کا غلبہ ہوچکا تھا۔ اس کی تفصیل موجبِ تطویل ہوگی۔ انہوں نے خود "تہافت الفلاسفہ" کے دیباچے میں اس زمانے کے نام نہاد انٹیلیکچوالس (intellectuals) "مدعیانِ دانش" کی فکری بے راہ روی کا تجزیہ کیا ہے۔ ان پر خود غلط "عقلیت پرستوں" کی اصلاح فکر کے لیے انہوں نے یونانی فلسفے کے رئیس علی الاطلاق ارسطاطالیس کو منتخب کیا اور اس کے افکار وتعلیمات کی انہیں تعبیرات کو ہدفِ سہام تنقید بنایا جو ابو نصر فارابی اور بوعلی سینا سے منقول تھیں۔ اس طرح ان کی کلامی سرگرمیوں کا محور ابنِ سینائی فلسفے کا رد تھا۔ یوں بھی شیخ بوعلی سینا کا فلسفہ (بالخصوص اس کی کتاب "الشفاء") نام نہاد مدعیان عقل ودانش کے حلقوں میں "حکمت کی مثلِ اعلیٰ" سمجھے جاتے تھے جب کہ شاعر انوری کہتا ہے:

مر درا حکمت ہمی باید کہ دامن گیر دش
"تاشفائے بوعلی" خوانند" ژاژ بجتزی

لہٰذا انہوں نے "ارسطاطالیسی۔ ابن سینائی" فلسفے میں سے بیس مسئلے منتخب کرکے ان پر ناقدانہ نظر ڈالی۔ یہ مسئلے حسب ذیل ہیں:

پہلا مسئلہ: فلاسفہ کا مذہب ہے کہ عالم ازلی (ہمیشہ سے) ہے، اس کا ابطال۔

دوسرا مسئلہ: ان کا یہ بھی مذہب ہے کہ عالم ابدی ہے (ہمیشہ رہے گا)، اس کا ابطال۔

تیسرا مسئلہ: فلاسفہ کا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم کا صانع ہے اور عالم اس کی صفت ہے؛ فریب محض ہے، اس کی وضاحت۔

چوتھا مسئلہ: فلاسفہ صانع عالم (باری تعالیٰ) کا وجود ثابت کرنے سے عاجز ہیں، اس کی توضیح۔

پانچواں مسئلہ: فلاسفہ دو خداؤں (نعوذ باللہ منہا) کے محال ہونے پر دلیل قائم کرنے سے عاجز ہیں۔

چھٹا مسئلہ: فلاسفہ جو باری تعالیٰ کی صفات کی نفی کرتے ہیں، اس کا ابطال۔

ساتواں مسئلہ: فلاسفہ کہتے ہیں کہ اوّل (باری تعالیٰ) کی ذات جنس اور فصل میں منقسم نہیں ہو سکتی۔ اس کا ابطال۔

آٹھواں مسئلہ: فلاسفہ کہتے ہیں کہ اوّل (باری تعالیٰ) موجود بسیط بلا ماہیت ہے۔ اس کا ابطال۔

نواں مسئلہ: فلاسفہ اس بیان سے عاجز ہیں کہ اوّل (باری تعالیٰ) جسم نہیں ہے۔

دسواں مسئلہ: "قول بالدہر" (دہریت) کی توضیح اور اس بات کی وضاحت کہ اس قول کے قائلین کے لیے صانع عالم کی نفی لازم ہے۔

گیارھواں مسئلہ: فلاسفہ یہ ثابت کرنے سے عاجز ہیں کہ اوّل (باری تعالیٰ) اپنے غیر کو جانتا ہے۔

بارہواں مسئلہ: فلاسفہ یہ بات تک ثابت کرنے سے عاجز ہیں کہ اوّل (باری تعالیٰ) اپنی ذات کو جانتا ہے۔

تیرھواں مسئلہ: فلاسفہ کے اس قول کا ابطال کہ اوّل (باری تعالیٰ) جزئیات (متغیرہ حادثہ) کا عالم نہیں ہے۔

چودھواں مسئلہ: فلاسفہ جو یہ کہتے ہیں کہ فلک ذی حیات ہے اور اپنے ارادے سے حرکت کرتا ہے، اس کا ابطال۔

پندرھواں مسئلہ: فلاسفہ نے جن اغراض کا ذکر کیا ہے کہ وہ فلک کی محرک ہیں، ان کا ابطال۔

سولہواں مسئلہ: فلاسفہ جو کہتے ہیں کہ نفوسِ فلک کو اس عالم کی تمام جزئیات حادثہ کا علم ہے، اس کا ابطال۔

سترھواں مسئلہ: فلاسفہ جو "خرقِ عادات" کو محال بتاتے ہیں، اس کا ابطال۔

اٹھارھواں مسئلہ: فلاسفہ اس بات پر کہ نفسِ انسانی جوہر قائم بنفسہٖ ہے جو نہ جسم ہے اور نہ عرض، عقلی دلیل قائم کرنے سے عاجز ہیں، اس کی توضیح۔

انیسواں مسئلہ: فلاسفہ نفوسِ بشریہ پر فنا کو محال بتاتے ہیں، اس کا ابطال۔

بیسواں مسئلہ: فلاسفہ کو "بعث بعد الموت" اور "حشر اجساد" سے انکار ہے۔ نیز اس بات سے بھی کہ وہ جنت اور دوزخ میں جسمانی لذات و تکالیف سے دوچار ہوں گے، اس کا ابطال۔

مزید تفصیل غیر ضروری ہے۔ کیوں کہ اس عرض داشت کا اصل مقصد اعلیٰ حضرت کے رسالے "الکلمۃ الملہمہ" کو متعارف کرانا ہے۔

(ب)

الکلمۃ الملھمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ لوھاء فلسفۃ المشئمۃ

کچھ ایسے ہی حالات پچھلی صدی میں ہمارے یہاں رونما ہو گئے تھے۔ مدارس کے نصاب پر معقولات ہی معقولات چھا کر رہ گئی تھی۔ بڑے بڑے عظیم المرتبت مصلحین امت و مجددین ملت نے اس صورتحال کی اصلاح کی کوشش کی مگر نتیجہ ڈھاک کے تین پات سے زیادہ نہ نکلا۔ مغل بادشاہ اپنے ساتھ وسطِ ایشیا سے جو روایات لائے تھے ان میں معقولات کے ساتھ غیر معمولی شغف بھی تھا جو محقق دوانی کے تلامذہ کے ہندوستان میں آنے سے اور بڑھ گیا۔ بالخصوص امیر فتح اللہ شیرازی کے شمالی ہندوستان میں آنے کے بعد انہوں نے پہلے محقق دوانی کے شاگرد رشید خواجہ جمال الدین محمود کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا پھر دوسرے اساتذہ کے علاوہ امیر غیاث الدین منصور سے پڑھا جو عقلیات میں اپنے انہماک کی بنا پر "عقل حادی عشر" کہلاتے تھے۔ ہندوستان میں انہیں دو بزرگوں کے تلامذہ کی سعی و کاوش سے مدارس میں معقولات کی گرم بازاری ہوئی۔ خواجہ جمال الدین محمود کے سلسلۂ تلمذ میں میر زاہد ہروی مصنف "زواہد ثلاثہ" منسلک تھے۔ میر زاہد کے شاگرد شاہ عبد الرحیم اور ان کے شاگرد ان کے صاحبزادے

شاہ ولی اللہ تھے جن سے دیوبند وغیرہ اور علی گڑھ کے مدارس کا سلسلہ ملتا ہے۔ امیر فتح اللہ کے شاگرد ملاّ عبد السّلام لاہوری تھے۔ ان کے سلسلۂ تلمذ میں علمائے پورب بالخصوص فرنگی محل اور خیر آباد آتے ہیں۔

بہر حال امیر فتح اللہ شیرازی ہی نے حسبِ تصریح "مآثر الکرام" علمائے ولایت (مثل محقق دوانی و مرزا جان وغیرہ کے) کی کتبِ معقولات درس میں داخل کرائیں۔ ادھر اکبر کی اسلام بیزاری اور الحاد پروری کے علومِ دینیہ سے بے اعتنائی اور ان کی جگہ نام نہاد علومِ عقلیہ میں توغّل کو مزید شہہ دی اور پھر تو یہ لے یہاں تک بڑھی کہ نصاب پر معقولات ہی معقولات چھا کر رہ گئی۔

قرآنِ کریم کے سلسلے میں جو اصل دین ہے صرف کوئی ڈیڑھ بلکہ سوا کتاب پڑھائی جاتی تھی۔ یعنی جلالین شریف اور بیضاوی شریف (تا مقامِ درس) مگر منطق میں "صغریٰ" سے "میر زاہد امورِ عامہ" تک کوئی پچیس کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ فلسفے میں "ہدایۃ الحکمۃ متن"، "ہدیۂ سعیدیہ"، "شمس بازغہ" بلکہ "شرح اشارات" اس پر مستزاد تھیں۔ پھر بھی معقول پسند طلبہ کے جذبۂ ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٌ، کی تشفی نہیں ہوتی تھی جس کے لیے "شرح مطالع" شرح حکمۃ العین، "حواشی قدیمہ وجدیدہ" اور محاکات بھی پڑھی اور پڑھائی جاتی تھیں۔ غرض طبائع پر معقولات کا غلبہ تھا اور علومِ عقلیہ کی وقعت مسلم تھی۔ کسی عالم کو اس وقت تک عالم تسلیم نہیں کیا جاتا تھا جب تک وہ معقولات میں دستگاہِ عالی نہ رکھتا ہو۔ قبل مغل دور میں "بردوی خواں" (اصولِ فقہ کی مشہور کتاب "اصولِ بزدوی" کا طالب علم) "العالم الالمعی والفاضل اللوذعی" کا مصداق سمجھا جاتا تھا۔ مغل دور کے آخر میں ملاّ محمود جونپوری کی "شمس بازغہ" کو حکمت و دانائی کی معراجِ کمال سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ذوقؔ اپنے ایک قصیدے میں کہتے ہیں:

بنا ہے مدرسہ یہ بزم گاہِ عیش ونشاط
کہ "شمس بازغہ" کی جا پڑھے ہیں "بدر منیر"

لیکن قدرت نے ہر زہر کا تریاق پیدا کیا ہے۔ اس صورت حال کی اصلاح کے لیے مجدد مِائۃِ حاضرہ کو مامور کیا جو نہ خود فلسفی تھے، نہ جنہوں نے فلسفہ کی تحصیل میں عمر عزیز ضائع کی مگر مولیٰ تعالیٰ جس بندے سے جو چاہے خدمت لے لے۔ چنانچہ "الکلمۃ الملہمہ" کے دیباچے میں فلسفہ کے اندر اپنی تعلیم کے بارے میں فرماتے ہیں:

"فقیر کا درس بحمدہٖ تعالیٰ تیرہ برس دس مہینے چار دن کی عمر میں ختم ہوا۔ اس کے بعد چند سال تک طلبہ کو پڑھایا فلسفۂ جدیدہ سے تو کوئی تعلق ہی نہ تھا۔۔۔ فلسفۂ قدیمہ کی دو چار کتابیں مطابق درسِ نظامی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ الشریف سے پڑھیں اور چند روز طلبہ کو پڑھائیں۔ مگر بحمدہٖ تعالیٰ روزِ اوّل سے طبیعت اس کی ضلالتوں سے دُور اور اس کی ظلمتوں سے نفور تھی۔ سرکارِ ابد قرار بارگاہِ عالم پناہ رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات سے دو خدمتیں اس خانہ زاد ہیچ کار کے سپرد ہوئیں: افتا اور ردِّ وہابیہ۔ انہوں نے مشغلہ تدریس بھی چھڑایا اور آج ۴۵؍ برس سے زائد ہوئے کہ بحمدہٖ تعالیٰ فلسفہ کی طرف رخ نہ کیا؛ نہ اس کی کسی کتاب کو کھول کر دیکھا۔ اب اخیر عمر میں سرکار نے اپنے کرم بے پایاں کا صدقہ بندۂ عاجز سے یہ خدمت لی کہ دونوں فلسفوں کا رد کرے اور ان کی قباحتوں شناعتوں، حماقتوں اور ضلالتوں پر اپنے دینی بھائیوں، طلبۂ علم کو اطلاع دے۔"

مگر یہ مِاَۃِ حاضرہ کا ایک معجزہ ہی تو تھا کہ اس جلیل القدر ہستی کے خامہ عنبر شمامہ سے، جسے قسام ازل نے صرف افتاء اور ردِ وہابیہ کے لیے خلق فرمایا تھا، وہ کتاب مستطاب کامل و کافل ظہور میں آئی جسے بجا طور پر "عہدِ حاضر کا تہافت الفلاسفہ" کہا جاسکتا ہے۔ یعنی "الکلمۃ الملہمہ فی الحکمۃ المحکمہ لوہاء افلسفۃ المشئمۃ" یہ ایک عقیدت مند کی مبالغہ آرائی نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت نفس الامری ہے۔

بہر حال اس غیر معمولی اہمیت کی حامل کتاب کی ابتداء بالکل معمولی حالات میں ہوئی اور یقیناً خدائے قادر کو اپنے ایک بندے سے یہ کام لینا تھا کہ بغیر کسی اہتمام کے فلسفے کے ہفوات واباطیل کا یہ "تہافت" ظہور میں آیا۔ اس کا قصہ بھی دلچسپ ہے۔

ہوا یہ کہ امریکہ کے کسی مہندس نے دعویٰ کیا تھا کہ ۱۷؍ دسمبر ۱۹۱۹ء کو اجتماع سیارات کے سبب آفتاب میں اتنا بڑا داغ پڑے گا کہ اس کے باعث زلزلے آئیں گے، طوفانِ شدید آئے گا، ممالک برباد ہو جائیں گے اور خدا معلوم کیا کیا مصائبِ ارضی و سماوی رونما ہوں گے۔ جب تجدّد پسند لوگوں نے حضرت مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ کو جو اس وقت مدرسۂ عالیہ سہسرام کے مدرسِ اعلیٰ تھے

مجبور کیا تو انہوں نے ۱۸ر صفر ۱۳۳۸ھ کو اس پیش گوئی پر مشتمل ایک عریضہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں روانہ کیا۔ حضرت نے پہلے تو اس کا مختصر جواب چند ورق پر دیا۔ جس کا ماحصل یہ تھا کہ: "یہ محض اباطیل بے اصل ہیں نہ وہ اجتماع سیارات اس تاریخ کو ہوگا جس کا وہ مدعی ہے، نہ جاذبیت (کششِ ثقل یا Gravitation) کوئی حقیقت رکھتی ہے۔" اور چونکہ مدعیان فرنگ کا اعتماد "کوپر نیکی" کی نظامِ ہیئت پر ہے جس کا اصل الاصول یہ ہے کہ زمین کے گرد آفتاب حرکت نہیں کرتا بلکہ زمین آفتاب کے گرد حرکت کرتی ہے۔ پھر اس کی تائید مزید نیوٹن اور اس کے پیروں نے کششِ ثقل کے مفروضے سے کی۔ لہٰذا مستفسرہ پیش گوئی کے رد میں بعض دلائل ردّ حرکتِ زمین لکھے۔

مگر جب یہ توضیحی تقریر زیادہ طویل ہونے لگی تو "رد حرکتِ زمین" کے دلائل کو جدا کرکے مستقلاً ایک کافل وکامل کتاب بعنوان "فوزِ مبین در رَد حرکتِ زمین"، لکھی جس میں ایک سو پانچ دلائل سے حرکتِ زمین باطل کی اور جاذبیت ونافریت وغیرہا مزعوماتِ فلسفۂ جدیدہ پر وہ روشن رَد کیے جن کے مطالعے سے ہر ذی انصاف پر بحمدہٖ تعالیٰ آفتاب سے زیادہ روشن ہوجائے کہ فلسفۂ جدیدہ کو اصلا عقل سے مس نہیں۔"

"فوزِ مبین" کئی فصلوں پر منقسم تھی۔ ان میں سے تیسری فصل میں ایک تذییل لکھی جس میں ان دس دلائل سے تعرض کیا جو فلسفۂ قدیمہ نے حرکت زمین کے رد میں دیے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے ان دلائل عشرہ کی تصحیف کی کہ "یہ دلائل باطل وزائل ہیں۔"

"ان کے رَد نے اصول فلسفۂ قدیمہ کے ازہاق وابطال کا دروازہ کھولا۔ ان اصولِ فلسفۂ قدیمہ کے رد میں تیس مقام لکھے جن سے بعونہٖ تعالیٰ تمام فلسفۂ قدیمہ کی نسبت روشن ہوگیا کہ فلسفۂ جدیدہ کسی طرح بازیچۂ اطفال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔"

ان مقاماتِ جلیل کے سبب یہ تذییل غیر معمولی طور پر طویل ہوگئی، جس کے نتیجہ میں اصل کتاب "فوزِ مبین" کی چوتھی فصل بہت دور جاپڑی۔ لہٰذا صاحبزادہ بلند اقبال "ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمٰن" یعنی حضرت مولانا مولوی مصطفیٰ رضا خاں صاحب سلمہ المنان و ابقاہ والٰی معالی کمالات الدین والدنیار قاہ کی رائے ہوئی کہ ان مقامات کو ردِفلسفۂ قدیمہ میں مستقل کتاب کیا جائے کہ اگرچہ دم الاخوین یکجا نہ ہوں، ایک کتاب ردِّ فلسفہ میں رہے دوسری ردِّ فلسفہ قدیمہ میں اور ساتھ مقاصدِ "فوز مبین" میں اجنبی الظاہر غیر متعلق ابحاث سے فصل سوم طویل نہ ہو۔ یہ رائے اعلیٰ حضرت کو بھی پسند آئی اور اس طرح کتاب کامل النصاب بعون الملک الوہاب المسمّٰی بنام تاریخی "الكلمة الملهمه فى الحكمة المحكمة لوهاافلسفة المشئمة" منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔

مثلاً ازاں بعد اعلیٰ حضرت سفارش فرماتے ہیں: "مسلمان طلبہ واہلِ علم پر دونوں کتابوں کا بغور بالاستیعاب مطالعہ اہم ضروریات سے ہے کہ دونوں فلسفۂ مزخرفہ کی شناعتوں، جہالتوں، سفاہتوں، ضلالتوں پر مطلع رہیں اور بعونہٖ تعالیٰ عقائدِ حقہ، اسلامیہ سے ان کے قدم متزلزل نہ ہوں۔"

تہافت الفلاسفہ میں بیس مسئلے تھے۔ "الکلمۃ الملہمہ" مندرجہ ذیل تیس بلکہ اکتیس مقامات پر مشتمل ہے:

مقام اوّلیٰ: اللہ عزوجل فاعل مختار ہے۔ اس کا فعل نہ کسی مرجح کا دست نگر، نہ کسی استعداد کا پابند۔

مقام دوم: اللہ واحد قہار ایک اکیلا خالقِ جملہ عالم ہے۔ خالقیت میں عقول وغیرھا کوئی نہ اس کا شریک نہ تخلیق میں واسطہ۔

مقام سوم: فلک محدود جہات نہیں۔

مقام چہارم: فسر کے لیے مقسور میں کوئی میلِ طبعی ہونا کچھ ضروری نہیں۔

مقام پنجم: خلا محال نہیں۔

مقام ششم: حیز شکل، مقدار اور جتنی چیزیں جسم کے لیے فی نفسہٖ ضروری ہیں کہ جسم کا ان سے خلونا متصوّر، ان میں بھی کسی شے کا جسم کے لیے طبعی ہونا کچھ ضروری نہیں۔

مقام ہفتم: فلک الافلاک میں میل منقسم ہے۔

مقام ہشتم: فلک میں مبدء میل متدیر نہیں۔

مقام نہم: جسم میں کوئی نہ کوئی مبدء میل ہونا کچھ ضروری نہیں۔

مقام دہم: حرکتِ وضعیہ کا طبعیہ ہونا محال نہیں۔

مقام یازدہم: حرکت وضعیہ فلک بھی طبیعیہ ہوسکتی ہے۔

مقام دوازدہم: طبیعت کا دائماً اپنے کمال سے محروم رہنا محال نہیں۔

مقام سیز دہم: حرکتِ فلک قسریہ ہو سکتی ہے۔
مقام چہار دہم: فلک کی حرکت ارادیہ ہونا ثابت نہیں۔
مقام پانزدہم: بلکہ افلاک کی حرکت قسریہ ہونا ثابت۔
مقام شانزدہم: فلک پر خرق والتیام جائز ہے۔
مقام ہفدہم: (فلک) بسیط نہیں۔
مقام ہیجدہم: فلک کا قابل حرکت متدیرہ ہونا ثابت نہیں۔
مقام نوزدہم: فلک کی حرکت ثابت نہیں۔
مقام بستم: اصولِ فلسفہ پر فلک کی حرکت متدیرہ بلکہ مطلقاً جنبش یکسر باطل و محال۔
مقام بست ویکم: دو حرکت مستقیمہ کے بیچ میں سکون لازم نہیں۔
مقام بست و دوم: امور غیر متناہیہ کا عدم سے وجود میں آجانا مطلقاً محال ہے۔ مجتمع ہوں یا متعاقب، مرتب ہوں یا غیر مرتب۔
مقام بست وسوم: قدم نوعی محال ہے۔
مقام بست وچہارم: قوتِ جسمانیہ کا غیر متناہی پر قادر ہونا محال نہیں۔
مقام بست وپنجم: آن سیال کوئی چیز نہیں۔
مقام بست وششم: زمانے کا وجودِ خارجی اصلاً ثابت نہیں۔
مقام بست وہفتم: زمانے کے لیے خارج میں کوئی منشا انتزاع بھی نہیں۔
مقام بست وہشتم: زمانہ موجود ہو خواہ موہوم کسی حرکت کی مقدار نہیں ہو سکتا۔
مقام بست ونہم: زمانے کی مقدار حرکت فلکیہ ہونا تو کسی طرح ثابت نہیں بلکہ نہ ہونا ثابت ہے۔
مقام سیم: زمانہ حادث ہے۔
مقام سی ویکم: جزءلایتجزیٰ باطل نہیں۔

ان میں سے تیسرے مقام سے بیسویں مقام تک فلسفہ طبعیات کے ان مسائل پر تنقید کی گئی ہے جو قدیم "فلکیات" سے متعلق ہیں اور جو کتب فلسفہ قدیمہ مثلاً اثیر الدّین ابہری کی "ہدایۃ الحکمۃ" کی شروح جیسے "میبذی" میں "القسم الثانی فی الطبیعیات" کے "الفن الثانی الفلکیات" کے اندر مشمول ہیں اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ اس وقت اعلیٰ حضرت کے پیش نظر حرکتِ زمین کے نظریہ کا ابطال تھا۔ اس لیے حرکت سے متعلق فلاسفہ قدیم کے افکارِ باطلہ کا ازہاق ناگزیر تھا۔ اکیسویں سے چوبیسویں مقام تک قدیم فلسفہ الٰہیات کے اہم مواقف کا ابطال ہے۔

بعد کے چھ مسئلے زمانے کی ابحاث سے متعلق ہیں اور حق یہ ہے کہ ان کے اندر اعلیٰ حضرت نے جس خوش اسلوبی سے اس باب میں اسلامی تعلیمات کی ترجمانی فرمائی ہے وہ انہیں کا حق ہے۔ کاش کوئی خدا کا بندہ اس زمانے میں اس کتاب کے ان ابواب کا تذکرہ علامہ اقبال سے کر دیتا جو مسئلۂ زمان کے باب میں اسلام اور اسلامی مفکرین کے مواقف سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ان لوگوں کی ہدایت ور ہنمائی طلب کر رہے تھے جو "اوخویشتن گم است کرا رہبری کند" کے مصداق تھے۔

اکتیسواں مقام فلسفۂ قدیمہ کے اصل الاصول کی رگِ جاں پر تیشۂ تیز ہے۔ معلوم ہے کہ قدیم فلسفہ طبیعیات اساس اس مسئلے پر ہے جو ہدایۃ الحکمۃ کی شروح اور دیگر کتب فلسفہ قدیمہ میں ہے۔ "ابطال الجزءالذی لایتجزی" کے عنوان سے بیان کیا جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس کی تنقید میں جو کاوش فرمائی ہے وہ ایک عظیم کارنامہ ہے، مگر کتاب کی جان پہلے دو مقام ہیں اور انہیں کی تبیین و توضیح میں مجدد مأۃ حاضرہ کی انفرادیت کا راز مضمر ہے۔

لیکن اس کی تفصیل ایک مستقل پیش کش کی مقتضی ہے جس سے عہدہ بر آ ہونے کی یہ عاجز مستمند اپنے ناتواں بازوؤں میں سکت نہیں پاتا۔ یوں بھی مجدد مأتہ حاضرہ جیسے نادرۂ روزگار کی عبقریت کی کماحقہ تصویر کشی کے لیے جن جامع منقول و معقول فضلا کی کاوش تحقیق درکار ہے وہ نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ قدرتِ خداوندی سے امید ہے کہ:

"مردے از غیب بروں آمد و کارے بکند"

یا پھر لَعَلَّ اللّٰهُ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْراً اور کسی دست وپاہی کو اتنی توانائی بخشدے جو وہ اس کڑی کمان کو زہ کر سکے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

کیوں رضا آج گلی سونی ہے
اٹھ مرے دھوم مچانے والے
(حدائق بخشش)

خرید و فروخت میں خیار اور تحقیقِ امام احمد رضا

صبا نور (ایم فل، دی یونیورسٹی آف فیصل آباد، پاکستان)

Abstract: Transactions are part of social life and show strong relationships. Islam gives guidance for it and the books of Sharia shows examples of it. Built on concept introduced in last article, this article discusses the research of Imam Ahmad Raza on sale by non-owners and is helpful in knowing his contribution to Economics.

خلاصہ: شریعتِ محمدی بنی نوعِ انساں کے لیے ہدایت کا وہ سرچشمہ ہے جو فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اس راستے پر چلتے ہوئے نوعِ انسانی کی سہولیات کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ دین اسلام انسانوں کو کسی مشکل میں نہیں ڈالتا؛ خواہ وہ زندگی کا کوئی بھی شعبہ ہو جیسے معاملات میں خرید و فروخت۔ علما و فقہا نے ان مسائل کی تشریح بیان کی خریدار اور بیچنے والے دونوں کو سودا قائم رکھنے یا منسوخ کرنے کا اختیار دیا ہے۔ امام احمد رضا نے خریداری میں ان اختیارات کی وضاحت کی ہے۔

خیار کی مختلف شکلوں کا بیان اور اس کا شرعی ثبوت

معاشرتی زندگی میں جو لین دین کے مختلف معاملات خرید و فروخت کی بنیاد پر ہوتے ہیں خریدنے اور بیچنے والے کو شرعِ اسلامی کی رُو سے سہولت دی گئی ہے، تا کہ بنی نوعِ انساں کو معاملات میں یہ حق حاصل ہو کہ معاملہ طے کرتے وقت ہی شرط رکھ لیں کہ دونوں میں سے ایک کو بھی منظور نہ ہو تو اس کو اس سودے کو ختم کرنے کا اختیار حاصل ہو گا۔ اس اختیار کی خریدنے اور بیچنے والے کو ضرورت ہوتی ہے کیونکہ بعض اوقات خریدنے والا جلدی میں سودا خرید لیتا ہے جو بعد میں اس کو ناپسند ہو، یا وہ اپنے اس فیصلے پر مطمئن نہ ہو۔ اسی طرح دوسری طرف بیچنے والا بھی اپنی ناواقفی میں چیزوں کو اونے پونے بہت سستے داموں میں بیچ دیتا ہے؛ تو شریعتِ مطہرہ نے دونوں کو یہ موقع دیا کہ چند دن غور کرلیں اپنے اس عقد کے منظور نہ ہونے کی صورت میں اس عقد کو منسوخ کرنے کا اختیار دونوں کے پاس ہو، تا کہ پچھتاوے اور نقصان یا ناپسندیدگی کی بنا پر زبردستی قائم رکھنے سے بچ سکیں۔

خرید و فروخت کے معاملات کے علاوہ دیگر عقود میں بھی یہ اختیار باقی رہتا ہے۔ مثال کے طور پر عقدِ کفالت، عقدِ حوالہ، مزارعت، کرائے پر لین دین وغیرہ۔ بعض عقود ایسی نوعیت کے ہوتے ہیں کہ جن میں یہ اختیار قائم نہیں رہ سکتا۔ اس میں نکاح، طلاق، قسم، نذر، اقرار بیع سلم (خرید و فروخت کی ایک قسم) وکالت شامل ہیں۔ بعض صورتوں میں خریدنے والے کو منظور یا نامنظور کرنے کا اختیار ہوتا ہے، لیکن بیچنے والے کو نہیں ہوتا۔ جیسے عقد رہن (گروی) میں رہن کے طور پر شے رکھنے والے کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوتا۔[۱]

شرعِ مطہرہ میں اس حق کو ''خیارِ شرط'' کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ احادیث نبویہ ﷺ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: بیچنے اور خریدنے والے دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں مگر بیع خیار کے۔[۲] ایک اور جگہ نبی ﷺ فرماتے ہیں: ''بیع بیچنے اور خریدنے والے کی رضا مندی سے ہوتی ہے۔''[۳] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب بھی وہ کسی سے بیع (خرید و فروخت) کرتے تو ان کی خواہش ہوتی کہ یہ بیع فسخ نہ ہو تو وہ مجلس سے کھڑے ہو جائے اور کچھ دور چل کر واپس آجاتے۔''[۴] ان احادیثِ مبارکہ سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ خیار کی بنا پر نہ صرف سودا قائم ہو جاتا ہے بلکہ یہ خریدار اور بیچنے والے پر منحصر ہوتا ہے۔

خیار کی مختلف شکلیں ہیں جن میں سے ایک ''خیارِ رویت'' اور دوسرا ''خیارِ عیب'' ہے۔ روز مرّہ کے بے شمار خرید و فروخت کے معاملات میں ایسا ہوتا ہے کہ کسٹمر شے کو خرید (Purchase) کرلیتا ہے، لیکن بعض اوقات کسی بنا پر وہ شے اس کو پسند نہیں آتی تو ایسی صورت میں شرعِ مطہرہ نے انسان کہ یہ حق دیا ہے کہ دیکھنے کے بعد وہ مطلوبہ شے ناپسند ہو اور وہ خریدنا نہ چاہتا ہو تو وہ اس سودے کو منسوخ کردے اور شے واپس لے کر ادا کی ہوئی رقم واپس لے لے۔ اس طرح دیکھنے کے بعد شے کو لیے یا نہ لینے کا اختیار ''خیارِ رویت''

کہلاتا ہے۔

اسی طرح خریدی ہوئی شے میں کوئی عیب معلوم ہو جس کو خرید نے والا باوجود کوشش کے دور نہ کر سکتا ہو یعنی خرابی زیادہ ہو تو ایسی صورت میں خریدار کو شے کے واپس کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

روایت ہے کہ نبی ﷺ غلہ کی ڈھیری کے پاس سے گزرے اس میں ہاتھ ڈالا حضور ﷺ کو انگلیوں میں تری محسوس ہوئی ارشاد فرمایا: "اے غلہ والو! یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کی، یارسول اللہ! اس پر بارش کا پانی گر گیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ: تو نے بھیگے ہوئے کو اوپر کیوں نہیں کیا کہ لوگ دیکھتے! جو دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں۔[۵]

حضور پاک ﷺ نے فرمایا: نہ خود کو ضرر پہنچے دے، نہ دوسرے کو ضرر پہنچائے؛ جو دوسرے کو ضرر پہنچائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ضرر دے گا؛ جو دوسرے پر مشقت ڈالے گا، خدا اس پر مشقت ڈالے گا۔[۶]

خیار کی شرائط

شرع مطہرہ نے خیار کی مدت زیادہ سے زیادہ تیس دن بیان کی ہے اور اس سے کم بھی لہٰذا اس مدت کے اندر خریدار اور بیچنے والے اس مقرر کی ہوئی مدت کے اندر بیع (خرید و فروخت) کو منظور یا منسوخ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ خیار کی مدت چند مہینوں کی یا ہمیشہ کے لیے کی ہو یا وقت کا تعین نہ ہو تو اس طرح بیع فاسد ہو گی۔ اس طرح خریدار اور بیچنے والے کے مابین اس بات پر سودا ہو کہ تین دن کی مدت کے اندر قیمت ادا نہ کروں تو میرے اور تیرے مابین یہ سودا ختم ہو جائے گا؛ اس طرح خریدنے والا تین دن سے کم میں قیمت ادا کر دے تو بیع درست ہو گی۔ سودا طے کرتے وقت جتنے دن کا خیار کیا بعد میں ان ایام میں کمی پیشی ہو گی تو یہ کمی نکال کر باقی دنوں کا خیار رہ جائے گا۔ سودا طے کرتے وقت خیار کی شرط نہ کی ہو بعد میں ایک نے دوسرے سے کہا کہ تمہیں اختیار ہے تو یہ اختیار اسی خاص وقت یعنی مجلس میں متعین ہے۔

خیار کا اختیار بیچنے والے کے لیے ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں: ایک یہ کہ مدت خیار میں اس نے کلام سے اس خرید و فروخت کی اجازت دی مثلاً یہ کہا کہ میں نے اس بیع کی اجازت دی یا یہ کہ میں اس بیع سے خوش ہوا یا اس کا یہ کہنا کہ میں نے اپنا خیار ساقط کیا، تو اس طرح کے الفاظ سے خیار ساقط نہ ہو گا۔ موت کی وجہ سے خیار باطل ہو جائے گا اور بیع نافذ ہو جائے گی۔

مدّتِ خیار گزر جانے کے بعد جس کے لیے خیار کی شرط رکھی ہو اس کی طرف سے کوئی اجازت نہ پائی جائے گی اجازت یا فسخ کی تو یہ بیع نافذ ہو جائے گی۔

بیچنے اور خریدنے والے دونوں میں سے جس نے بھی اپنے لیے خیار رکھا جب بھی اس نے بیع کو جائز کر دیا تو یہ بیع (خرید و فروخت) مکمل ہو گی اگر دونوں کو اختیار تھا تو ایک کے جائز یا راضی ہونے سے بیع تمام نہ ہو گی۔ کیونکہ خرید و فروخت کے لیے ایجاب و قبول کا ہونا ضروری امر ہے۔

خریدار اور بیچنے والے کے مابین خیار کی شرط پر ایک سودا طے ہوا جب تک خیار کی مدت پوری نہ ہو گی اس وقت تک نہ بیچنے والا خریدار سے قیمت کا مطالبہ کر سکتا ہے اور نہ ہی بیچنے والے کو مجبور کیا جا سکتا ہے کہ وہ مطلوبہ شے خریدار کے سپرد کرے۔[۷]

خریدار اور بیچنے والا دونوں میں سے جو بھی اپنے لیے خیار کر رہا ہے، اس نے کہا کہ میں نے یہ سودا منظور کیا یا میں نے اپنا خیار ساقط کیا اس قسم کے الفاظ کہہ دینے سے خیار کا اختیار جاتا رہے گا بشرطیکہ کہ یہ کہا کہ میرا مقصد لینے کا ہے یا یہ شے مجھے پسند ہے یا مجھے اس کی خواہش ہے۔ ایسا کہنے سے خیار کا حق باقی رہے گا۔

خریدار چند اشیا میں سے کسی ایک شے کو خریدنے کے لیے متعین کرنے کو "خیارِ تعین" کہا جاتا ہے۔ اس معاملے میں شرع مطہرہ نے شرائط رکھی ہیں، جن کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

خیارِ رویت

جس نے بھی کوئی ایسی شے خریدی جو دیکھی نہ ہو، تو خریدار کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ جب بھی وہ مطلوبہ شے کو دیکھے، دیکھنے کے بغیر یا بعد میں دیکھنے کے خریدار کو واپسی کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

خریدار شے خریدنے سے قبل ہی اپنی رضامندی کا اظہار کرے یا یہ کہے کہ میں نے اپنا خیار ساقط کیا پھر بھی اُس کا یہ اختیار باطل نہیں ہو گا کیونکہ یہ اختیار کسی شے کو دیکھنے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ شے کو دیکھنے سے قبل خیار ہی نہ تھا لہٰذا اس کو باطل نہیں کیا جا سکتا۔

خیارِ رویت میراث میں جاری نہیں ہوتا حتیٰ کہ اگر کوئی مر گیا تو

اس کے وارث کو واپس کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہو گا۔ اسی طرح جو شے اس طرح ملک میں آئے جو کہ دوسرے کے ذمے دین ہو تو ان میں خیار رویت نہیں گا۔ اسی طرح مہر اور قصاص کا بدل صلح اور بدل خلع یہ چیزیں اگرچہ عین ہوں ان میں خیار رویت ثابت نہیں ہو گا۔[۸]

خریدار نے خریدی ہوئی شے پر قبضہ کر لیا یا اس میں کسی قسم کا تصرف کر لیا جیسے کمی یا زیادتی مثلاً کسی دوسرے شخص کے ہاتھ بیچ کر دیا، یا رہن (گروی) رکھوا دیا یا اجارہ (کرایہ) پر دے دیا ان سب صورتوں میں خیار رویت باطل ہو جائے گا۔ اسی طرح دیکھنے کے بغیر کوئی زمین خریدی اس کو عاریت (ادھار) پر دے دیا ادھار لینے والے نے اس میں بویا خیار رویت باطل ہو گیا یعنی تصرف ہو گیا مثلاً کپڑے خریدے اس میں سے کچھ استعمال کر لیے تو خیار باطل ہو گیا۔[۹]

بعض اوقات خریدار کوئی شے دیکھ کر اس کو خریدنے کا ارادہ کرتا ہے، کچھ دنوں بعد وہ خریدار دوبارہ بیچنے والے کے پاس آتا ہے، شے کا مطالبہ کرتا ہے؛ خریدار یہ کہتا ہے کہ یہ شے ویسی نہیں جیسی میں نے پہلے دیکھی تھی جبکہ بیچنے والے کا اصرار ہوتا ہے کہ یہ شے ویسی ہے تو دونوں کو اپنی بات ثابت کرنے کے لیے گواہ پیش کرنے پڑیں گے۔ مثلاً خریدار کو گواہ سے ثابت کرنا پڑے گا کہ شے میں تبدیلی آگئی ہے۔ گواہ پیش نہ کرنے کی صورت میں بیچنے والے کی بات پر اعتبار کیا جائے گا؛ لیکن شرع مطہرہ نے اس بات کی بھی یہ صورت بیان کی ہے کہ [۱۰] خریدار کے دیکھے ہوئے کو زیادہ عرصہ نہ گزرا ہو اور یہ بات معلوم ہو کہ اتنے زمانے میں تغیر و تبدیلی نہیں آسکتی لیکن بہت زمانہ گزر جانے کی وجہ سے شے میں تبدیلی آجائے تو خریدنے والے کی بات پر اعتبار کیا جائے گا۔ اسی طرح دو لوگوں نے مل کر دیکھے بغیر کوئی شے خریدی اب دیکھنے کے بعد ایک نے رضا مندی کی دوسرا رضا مند نہیں وہ تنہا اس شے کو واپس نہیں کر سکتا بلکہ دونوں کا خریدنے یا نامنظور کرنے کا متفق ہونا ضروری ہو گا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا جب بھی کوئی شے خریدی جائے گی اس کو پورے کا پورا دیکھ بھال کے خریدنا ہو گا یا پوری شے کا دیکھنا ضروری ہو گا؟ تو اس بارے میں فقہی کتابوں میں مذکور ہے کہ "شے کا دیکھ لینا" سے مراد یہ نہیں ہے کہ شے پوری کی پوری دیکھ کر لی جائے بلکہ بعض حصّے دیکھ لیے جائیں۔ بعض اوقات شے مقدار میں کافی ہوتی ہے؛ اس پوری مقدار کا دیکھنا ممکن نہیں ہوتا، جیسے غلہ اناج وغیرہ اگر اندرونی حصّہ ویسا نہ ہو جیسا کہ باہر والا حصّہ بلکہ عیب دار ہو تو خریدار کو خیار رویت اور خیار عیب دونوں ہی حاصل ہوں گے۔ (خیارِ عیب کی تفصیل آگے آرہی ہے)[۱۱]

اِسی طرح بیچنے والے نے نمونہ کے طور پر خریدار کو اچھی اور معیاری شے دکھادی بعد میں خریدار بیچنے والے کو یہ کہتا ہے کہ تم نے جو شے نمونے کے طور پر دکھائی تھی باقی شے ویسی نہیں لیکن بیچنے والا کہتا ہے کہ میں نے وہی چیز دکھائی ہے۔ خریدار کے پاس وہی نمونے کے طور پر دکھائی گئی شے موجود ہو تو ان لوگوں کو دکھائی جائے جو زیادہ اس شے کی کوالٹی کو جانتے ہوں، زیادہ آگاہی رکھتے ہوں تو ان کی بات مانی جائے گی جو وہ کہیں گے لیکن دوسری صورت میں خریدار کے پاس نمونہ موجود نہ ہو تو پھر بیچنے والے کے قول پر اعتبار کیا جائے گا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے الھدایہ)[۱۲]

کھانے کی شے ہو تو چکھنا کافی ہوتا ہے؛ سونگھنے کی ہو تو سونگھنا چاہیے۔ اس طرح وہ چیزیں جو زمین کے اندر ہوں جیسے لہسن، پیاز وغیرہ جو چیزیں تول کر بیچی جاتی ہیں ان میں کھود کر تھوڑا سا دیکھنا کافی ہے لیکن اُس صورت میں جب مالک نے اجازت دی ہو خریدار نے مالک کی اجازت کے بغیر اتنا کھودا کہ ان کی کچھ قیمت بھی ہو تو پھر خریدار کا خیار ساقط ہو جائے گا۔

اس طرح خریدار نے کسی شے کو خریدنے کے لیے وکیل کیا تو وکیل کا دیکھنا کافی ہے اگر اُس نے شے کو پسند کر لیا تو وکیل اور موکل دونوں کو فسخ کرنے کا اختیار نہ رہا۔ (دیکھیے بہارِ شریعت)[۱۳]

خیارِ عیب

خریدی ہوئی شے میں ایسی خرابی موجود ہو جو خریدنے والے سے چھپی ہو اس کو معلوم نہ ہو بلکہ بعد میں یعنی سودا طے ہو جانے کے بعد اس عیب کا شے میں موجود ہونا معلوم ہو جائے تو خریدار کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ شے کو واپس کر دے، لیکن عیب کس نوعیت کا ہو جس کی وجہ سے واپس کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے؟ تو اس بارے

میں علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ایسی خرابی جو خریدار قدرت رکھنے کے باوجود مطلوبہ شے میں سے زائل نہ کرسکتا ہو مثلاً اگر معمولی سی خرابی ہو جس کو زائل کرنا آسان ہو تو خیارِ عیب کا حق خریدار کو حاصل نہیں ہوگا۔[۱۴]

کسی بھی شے جس کو خریدنے کے بعد اس میں عیب کا پتا چلے خریدنے والے کا صرف یہ کہہ دینا کہ مجھے اس عیب کی وجہ سے یہ سودا منظور نہیں بیچنے والا اس بات پر راضی ہو یا نہ ہو عقد فسخ ہوجائے گا اور اگر خریدی ہوئی شے پر قبضہ کرچکا تو بیچنے والے کی رضا مندی ضروری ہوگی۔ خریدار کے قبضہ کرلینے کے بعد جو عیب پیدا ہوگا اس کی وجہ سے اس کا یہ اختیار جاتا رہے گا۔[۱۵]

عیب کے جاننے کے بعد خریدار نے اس شے میں کسی قسم کا تصرف کیا تو اس کی وجہ سے اس کو یہ حق حاصل نہ ہوگا۔ جیسے اُس شے کو کسی کے ہاتھ فروخت کردیا یا تحفہ کے طور پر کسی کو دے کر اس کو اس شے کا مالک بنا دیا اس کے بعد عیب ظاہر ہوا تو اس صورت میں شے کو واپس کرنے کا اختیار نہیں رکھے گا بلکہ اس خرابی کا نقصان لے سکتا ہے۔ اتنی قیمت واپس لینے کا حق دار ہوتا ہے۔

اسی طرح جو شے کھانے والی ہو غلہ، اناج وغیرہ تو اس میں سے کچھ کھالیا تو معلوم ہوا کہ یہ ٹھیک نہیں تو جتنا کھالیا یا استعمال کیا اس کا نقصان بیچنے والے سے لے سکتا ہے۔ باقی غلہ واپس کرسکتا ہے۔[۱۶]

اس طرح ایسا عیب موجود ہو جو خریدار نے آسانی سے زائل کرلیا یا دوسرے لفظوں میں وہ معمولی سی خرابی ہو اب دوسرا کوئی عیب یا خرابی معلوم ہونے پر خریدار واپس کرنے کا حق رکھتا ہے۔

جانوروں کے خرید و فروخت میں اسی بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ جو جانور جس مقصد کے لیے لیا جائے وہ پورا ہو جیسے قربانی کے طور پر خریدے ہوئے جانور میں کوئی عیب ہو، جس کی وجہ سے اس کی قربانی نہیں ہوسکتی اُسے واپس کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح سواری کے طور پر لیا گیا جانور یا کسی اور کام کے لیے تو وہ جانور اس کام کے لیے موزوں نہ ہو اور نہ فائدہ دے رہا ہو تو اس کو عیب شمار کیا جائے گا۔

خریدی ہوئی شے میں کوئی مزید عیب جو خریدار کی وجہ سے پیدا ہوگیا ہو یا آفتِ سماوی سے، واپس کرنے کا حق نہیں رکھتا اس طرح گیہوں، غلہ وغیرہ خریدا جائے جن میں خاک ملی ہو اور اتنی ہی جتنی عادتاً ملی ہوتی ہے یا کم مقدار میں ملی ہو تو واپس نہیں کرسکتا۔[۱۷]

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خریدار بیچنے والے سے کوئی شے خریدتا ہے؛ اس میں ناواقفیت کی بنا پر اس کو کوئی عیب یا خرابی معلوم نہیں ہوتی وہ شخص وہی شے کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے دوسرا شخص وہ عیب یا خرابی کا بتادے تب اس صورت میں پہلا خریدار گواہوں سے ثابت کرکے بیچنے والے کے پاس وہ شے واپس کرسکتا ہے۔[۱۸]

امام احمد رضا اور خرید و فروخت میں خیار

کتاب البیوع کے ہر باب پر امام احمد رضا کی تحقیقات خصوصیت کی حامل ہیں۔ خرید و فروخت کی تمام صورتوں کو ترتیب کے ساتھ بیان فرمایا، اس میں بیع خیار، بیع الوفا اور رہن سے متعلق بھی معلومات درج ہیں؛ بلکہ آپ نے عوام الناس کی اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے بیع الوفاء کی تفصیل و تشریح بیان فرمائی کہ حقیقت میں یہ رہن کی ہی ایک صورت ہے کہ جس میں ایک مدت بیان کی جاتی ہے۔ لہٰذا بیع الوفا اور خیار دو الگ الگ عقود ہیں۔

خرید و فروخت کا معاملہ جب طے ہوتا ہے تو اس میں خیار کی شرط رکھی جاتی ہے کہ خریدنے اور بیچنے والوں کو ایک ٹائم دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے کیے گئے فیصلوں پر غور و فکر کرلیں۔ خیار کی شرط ایک مدت تک ہوتی ہے جب وہ متعینہ مدّت گزر جائے۔ بیع لازم یعنی سودا قائم ہوجاتا ہے۔ امام احمد رضا نے خیار کی مدّت تین دن بیان کی ہے۔ یہ اختیار تین دن سے زیادہ نہیں ہوسکتا اور اس سے کم مدت میں ایک دن یا ایک گھنٹہ جو چاہے، خریدنے اور بیچنے والا دونوں ہی وقت کی قید لگالیں؛ اس متعینہ مدت تک دونوں یعنی خریدار اور بیچنے والا دونوں ہی جنہوں نے اپنے لیے یہ شرط رکھی ہو انہیں اختیار ہوگا کہ بیع کو قائم رکھیں یا نامنظور کردیں۔[۱۹]

امام احمد رضا اس مسئلے کی وضاحت بیان فرماتے ہیں کہ خرید و فروخت کا معاملہ خریدار اور بیچنے والے یعنی دونوں فریقین کی رضا مندی کے ساتھ مشروط ہے۔ ان دونوں کے راضی ہونے سے بیع

(خرید وفروخت کا معاملہ) طے ہو جاتا ہے، مگر خیارِ رویت اور خیارِ عیب باقی رہتا ہے۔ یعنی جب ایجاب و قبول ہو جائے تو دونوں فریقین میں سے کسی ایک کو فسخ کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا؛ سوائے چند ایک صورتوں کے، کہ خریدی ہوئی شے میں کوئی عیب دیکھیں یا خریدار بوقت خریداری اس عیب سے بے خبر رہا ہو اس صورت میں خریدار کو اختیار حاصل رہتا ہے۔[۲۰]

ناقص مال کو جو خریدار کے مطابق نہ ہو یا دور دراز علاقوں سے منگوایا گیا ہو، خریدار اس کے متعلق مطمئن نہ ہو یا خریدار نے نمونے کے طور پر جو بھی مال دیکھا تھا اب جو بھیجا گیا اس میں تغیّر و تبدیلی آگئی ہو تو خریدار اسے واپس دے کر اپنی اصل خریداری کا مال لے سکتا ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ اس میں بھی ایک شرط ہے کہ خریدار سے کوئی فعل ایسا نہ ہوا ہو جیسے قول یا فعل سے اس بات پر راضی ہوا ہو کہ مال جیسا بھی ہے قبول کرتا ہو۔ پھر اس صورت میں اُسے یہ اختیار حاصل نہ ہو گا خیارِ رویت کسی مدت کے ساتھ مقید نہیں ہوتا، یعنی خریدار کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ جب بھی خریدی ہوئی شے میں کوئی عیب دیکھے واپس کر سکتا ہے۔[۲۱]

امام احمد رضا اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں ہی کسی کو بیع نامہ اپنی جائیداد کا مثلاً باغ، اراضی وغیرہ لکھ دے، اس کے ورثا میں سے کسی کو اس کی موت کے بعد اس سودے کو منسوخ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ بیچنے والا خیارِ رویت یا خیارِ عیب کی وجہ سے اس کو ختم نہیں کر سکتا۔ خیارِ رویت (یعنی دیکھنے) کا اختیار صرف خریدنے والے کو ہوتا ہے۔ اگرچہ خیارِ عیب (خرابی) کا اختیار بیچنے والے کو حاصل ہوتا ہے۔ بیچنے والا کسی عیب کی وجہ سے سودے کو منسوخ نہیں کر سکتا بلکہ ثمن ناقص جید سے بدل سکتا ہے۔ پس یہ دونوں اختیار جو کہ منسوخ کرنے کا سبب ہیں خاص کر خریدنے والے کے لیے ہیں بیچنے والے کو نہیں۔

امام احمد رضا خرید وفروخت کے لیے مدت کے تعین میں تفصیلاً بیان فرماتے ہیں جیسا کہ پہلے تذکرہ کیا جا چکا ہے کہ خیارِ شرط کی مدت تین دن سے زائد نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ زیادہ مدت کا تعین کر کے بعض اوقات ایک ناقابل قبول صورت پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے حرام طریقے سے نفع اٹھایا جاتا ہے۔

اس کی صورت کچھ یوں بنتی ہے کہ ایک مدت متعین کر لی جاتی ہے کہ اس میں اگر خریدار بیچنے والے کو رقم ادا کر دے تو بیع قطعی ہو جائے گی یعنی سودا لازم ہو جائے گا اگر رقم ادا نہ ہوئی تو یہ سودا منسوخ ہو جائے گا۔[۲۲]

امام احمد رضا فرماتے ہیں خیار کی مدت جو مقرر کی جاتی ہے یہ کئی حوالوں سے ہوتی ہے۔ اولاً یہ بیع (خرید وفروخت) میں خیار یہ الگ شے ہے۔ اس کے علاوہ جو شے رکھوائی جاتی ہے اور قیمت کا ادا کرنا بعد میں رکھا جاتا ہے۔ ایک صورت رہن کہ جس میں کوئی مالیاتی شے کے عوض قرض حاصل کیا جاتا ہے۔ بیع الوفا (خرید وفروخت) اصل میں بیع نہیں بلکہ رہن کی ایک صورت ہے، جس میں رہن رکھنے والے کو رہن کے طور پر رکھی ہوئی شے سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے۔ بعض اوقات اسی طرح بیع (خرید وفروخت) کے طور پر ایک متعین مدت طے کی جاتی ہے جس میں قیمت بعد میں دینا ٹھہرالیا جاتا ہے۔ اس صورت میں خریدنے والا جس طرح چاہے اس شے کو کرائے پر دے کر نفع حاصل کرے، یہ نفع ہر طرح سے حرام ہے۔

خرید وفروخت کی صورت میں شے اسی وقت خریدار کے قبضے میں آتی ہے جب اس کا مکمل قبضہ ہو۔ قبضہ نہ ہونے کی صورت میں خریدار کو جائیداد، یا خریدی ہوئی شے میں کسی قسم کا حق حاصل نہیں ہوتا، وہ شے بیچنے والے کی خاص ملکیت ہے۔[۲۳] اور مشتری یعنی (خریدار) کو اس شے میں کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ الغرض خرید وفروخت کے معاملات طے کرتے وقت خیار کی شرط کا تعین اسی وقت ہو۔ مدت تین دن سے زائد نہیں ہو سکتی اور جن عقود میں تین دن سے یا زیادہ مدت کا تعین کر لیا گیا وہ بیع (خرید وفروخت) کی صورت نہیں ہو گی۔ اگرچہ بیع الوفا جو کہ بیع کی ایک صورت ہے، امام احمد رضا کے نزدیک وہ خرید و فروخت کی صورت نہیں بلکہ رہن کی ایک صورت ہے؛ جس کی تفصیل انشاءاللہ آنے والے "معارفِ رضا" میں شامل ہو گی۔

موجودہ دور میں خرید وفروخت کے جو طور طریقے رائج ہیں ان میں بھی خیار شرط کی بنا پر سودا طے کر لیا جاتا ہے۔ سودے میں کسی عیب کی وجہ سے خریدار کو یہ حق دیا جاتا ہے کہ وہ شے میں کسی خرابی کی وجہ سے مطلوبہ شے کو واپس کر دے، جیسے اس کی مثال جانوروں کی

خریداری ہے۔ قربانی کے طور پر خریدے گئے جانوروں میں کوئی عیب ہو جس کی وجہ سے اس جانور کی قربانی جائز نہ ہو اس جانور کو واپس کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔

بعض جگہوں پر اشیا کی قیمتیں مقرر ہوتیں ہیں، جن میں نہ تو قیمتوں کو کم کروایا جاسکتا ہے اور نہ ہی پسند نہ آنے پر شے کو واپس کیا جاتا ہے۔ جیسے دوسروں لفظوں میں خیارِ رویت حاصل نہیں ہوتا موجودہ دور میں اس کی صورت مختلف بڑے بڑے ڈیپار ٹمنٹل اسٹور کی شکل میں نظر آتی ہے کسی شے کے خراب نکل آنے پر ہی وہ شے کو واپس کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

ٹیلی ویژن پر مختلف قسم کے اشتہارات آتے ہیں جن میں شے کی قیمت تو متعین ہوتی ہے اور ساتھ یہ بھی وضاحت ہوتی ہے کہ شے میں خرابی معلوم ہونے پر آپ اپنی رقم واپس لیں سکتے ہیں۔ اس طرح کی کئی مثالیں موجود ہیں۔

خیارِ شرط سے متعلق اور جو دوسرے عقود کی تفصیل امام احمد رضا نے بیان کی ہے ان سے مدد لے کر ان تمام عقود کو شرع مطہرہ کی حدود کے اندر رہ کر قائم کیا جاسکتا ہے۔

مصادر و مراجع

۱۔ بہارِ شریعت، مولانا امجد علی اعظمی، جلد۱۱، ص۴۰، مکتبۃ المدینہ، کراچی، اپریل ۲۰۰۹ء۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب البیعان بالخیار مالم یتفرقا۔

۳۔ سنن ابن ماجہ، مزید دیکھیے صحیح مسلم، جلد ۲، ص ۶۔

۴۔ صحیح مسلم مع شرح الکامل للنووی، جلد ۲، ص ۶، مکتبۂ قدیمی کتب خانہ، کراچی۔

۵۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ من غشنا فلیس منا، الطبع الثانی ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۶ء۔

۶۔ المستدرک، للحاکم، کتاب البیوع، باب النھی عن المحاقلۃ۔

۷۔ اشراق نوری ترجمہ شرح قدوری، ص۱۱۶، حاجی مقبول الرحمان، مکتبۂ رحمانیہ، لاہور۔

۸۔ عین الھدایہ (اردو) شرح الہدایہ، مولانا سید امیر علی، جلد ۳، ص ۶۱۔

۹۔ عین الھدایہ (اردو) شرح الہدایہ، مولانا سید امیر علی، جلد ۳، ص ۶۱۔

۱۰۔ فتاوی عالمگیری جدید، مترجم مولانا سید امیر علی، جلد ۴، ۲۹۱۔

۱۱۔ فتاوی عالمگیری جدید، مترجم مولانا سید امیر علی، جلد ۴، ۲۹۱۔

۱۲۔ فتاوی عالمگیری جدید، مترجم مولانا سید امیر علی، جلد ۴، ۲۹۱۔

۱۳۔ فتاوی عالمگیری جدید، مترجم مولانا سید امیر علی، جلد ۴، ۲۹۱۔

۱۴۔ بہارِ شریعت، جلد۱۱، ص۶۷، مزید دیکھیے اشراق نوری ترجمہ قدوری، ص۱۱۶۔

۱۵۔ بہارِ شریعت، جلد۱۱، ص۶۷، مزید دیکھیے اشراق نوری ترجمہ قدوری، ص۱۱۶۔

۱۶۔ عین الہدایہ اردو شرح ھدایہ، جلد ۳، ص۷۷۔

۱۷۔ عین الہدایہ اردو شرح ھدایہ، جلد ۳، ص۷۷۔

۱۸۔ عین الہدایہ اردو شرح ھدایہ، جلد ۳، ص۷۷۔

۱۹۔ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ (مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات)، امام احمد رضا بریلوی، ج۱۷، ص۸۹، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۰۶ء۔

۲۰۔ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ (مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات)، امام احمد رضا بریلوی، ج۱۷، ص۸۹، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۰۶ء۔

۲۱۔ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ (مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات)، امام احمد رضا بریلوی، ج۱۷، ص۹۰، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۰۶ء۔

۲۲۔ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ (مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات)، امام احمد رضا بریلوی، ج۱۷، ص۹۱، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۰۶ء۔

۲۳۔ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ (مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات)، امام احمد رضا بریلوی، ج۱۷، ص۹۲، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۰۶ء۔

❧❧❧❧❧

ہم کو تو اپنے سائے میں آرام ہی سے لائے
حیلے بہانے والوں کو یہ راہ ڈر کی ہے
لٹتے ہیں مارے جاتے ہیں یوں ہی سُنا کیے
ہر بار دی وہ امن کہ غیرت حضر کی ہے
(حدائقِ بخشش)

تذکرۂ نوری

محمد ایوب قادری (وفاقی اُردو کالج، کراچی، پاکستان)

شاہ ابوالحسین نوری میاں صاحب بن شاہ ظہور حسن مارہروی ۱۸۳۹ء ۱۳۵۵ھ میں مارہرہ میں پیدا ہوئے۔ چونکہ ان کے والد کا بچپن میں ۱۲۶۶ھ میں انتقال ہوگیا تھا، اس لیے میاں صاحب کی تمام تر تعلیم و تربیّت ان کے جدِّ امجد شاہ آلِ رسول مارہروی (ف ۱۲۹۶ھ) کے زیرِ سایہ ہوئی۔ انہوں نے علومِ مروجہ کی تعلیم و تحصیل مختلف اساتذہ سے کی، جن میں مولوی فضل اللہ جلسیری (ف ۱۳۰۱ھ) اور مولوی حسین شاہ بخاری وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ روحانی تربیت اُن کے جدِّ امجد شاہ آلِ رسول نے فرمائی اس کے علاوہ بعض امور کی اجازت شاہ علی حسین مراد آبادی، مولوی احمد حسن مراد آبادی (ف ۱۲۸۸ھ) اور شاہ تکا شاہ سے بھی پائی۔ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۲۶۷ھ کو شاہ آلِ رسول نے اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔

شاہ ابوالحسین نوری میاں صاحب کا حلقۂ بیعت وارشاد بہت وسیع تھا۔ روہیل کھنڈ کے اضلاع بدایوں وبریلی وفرخ آباد وغیرہ میں ان کے مریدوں کی بہت کثرت تھی۔ حضرت میاں صاحب نے تذکیر وارشاد کے فرائض بخوبی انجام دیے۔ میاں صاحب کو تصنیف و تالیف کا بھی ذوق تھا متعدد کتابیں مثلاً ''العسل المصفیٰ فی عقائد ارباب سُنتہ المصطفیٰ''، ''تحقیق التراویح''، ''دلیل الیقین من کلمات العارفین''، ''سراج العوارف فی الوصایا والمعارف'' اور ''النور البہانی اسانید الاحادیث وسلاسل اولیاء'' وغیرہ مطبوع ومشہور ہیں۔ میاں صاحب کا انتقال ۱۱ رجب ۱۳۲۴ھ ۱۳ اگست ۱۹۰۶ء کو مارہرہ میں ہوا۔

میاں صاحب کے تعلقات مولانا عبدالقادر بدایونی (ف ۱۹۰۱ء) اور مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی (ف ۱۹۲۱ء) سے بہت مخلصانہ تھے۔ مولانا عبدالقادر بدایونی کو تو وہ مثل اپنے استاد کے سمجھتے تھے اور تمام مسائل میں ان کی رائے سے موافقت فرماتے تھے۔ مولوی غلام شبیر بدایونی (ف ۱۹۲۷ء) اسی کتاب [''مدائح حضورِ نور''] میں لکھتے ہیں: ''غایت تحقیق وتلاش سے یہ معلوم ہوا کہ اکثر مسائل فقہ وکلام میں حسبِ ہدایتِ حضور خاتم الاکابر قدس سرہٗ (شاہ آل رسول مارہروی)، حضورِ اقدس (شاہ ابوالحسین نوری میاں) مولانا مرحوم (مولانا عبدالقادر بدایونی) سے مشورت فرماتے اور اپنی تصانیف کو بغیر مشورہ و معائنۂ حضور مولانا طبع کی اجازت نہ دیتے۔'' اور مولانا عبدالقادر بدایونی بھی حضرت میاں صاحب کے مشورے کے بغیر کوئی کام دینی و دنیوی نہ کرتے تھے۔

مولانا حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی[۱] حضرت میاں صاحب کے پیر و مرشد و جدِّ امجد حضرت شاہ آلِ رسول مارہروی کے مرید و خلیفہ تھے اور ان کو خود حضرت میاں صاحب سے بھی اجازت وخلافت حاصل تھی لہٰذا وہ حضرت میاں صاحب کی غایت درجہ تعظیم وتکریم فرماتے تھے، جس پر ان کا ''قصیدۂ نوری'' دال ہے۔ حضرت میاں صاحب کی منقبت میں حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے ایک اور قصیدہ بھی لکھا ہے جس کا مطلع ہے ؎

برتر قیاس سے ہے مقامِ ابوالحسین
سدرہ سے پوچھو رفعتِ بامِ ابوالحسین

حضرت شاہ ابوالحسین نوری میاں صاحب نے اپنے زمانے میں تفضیلیت اور شیعیّت کا ردِّ بلیغ فرمایا۔ خاص طور سے تفضیلیت کی خوب بیخ کنی کی اور ان کی سرپرستی میں بدایوں میں مولانا عبدالقادر بدایونی اور بریلی میں حضرت علاّمہ شاہ احمد رضا خاں بریلوی نے شیعیّت اور تفضیلیت کے خلاف محاذ قائم کیا۔ یہاں ہم ان کی کوششوں کا جائزہ لیں گے۔

حضرت میاں صاحب کے بزرگوں میں میر عبدالواحد بلگرامی (ف ۱۰۱۷ھ) نامور شیخ طریقت گزرے ہیں۔ وہ اکبری دور کے مشہور بزرگ ہیں۔ اکبر کا دور الحاد وبدمذہبی کا دور تھا۔ عقائدِ فاسدہ اور ادیانِ باطلہ کی گرم بازاری تھی۔ اس زمانے میں شیعیّت وتفضیلیت کو بھی خوب فروغ ہوا۔ سرکار ودربار میں اہلِ ایران کی دھوم تھی۔ لاہور کا قاضی مشہور شیعہ عالم نوراللہ شوستری (ف ۱۰۱۹ھ) مقرر ہوا۔ اکبر کے مصاحبین میں ابوالفضل (ف ۱۰۱۱ھ) اور فیضی

(ف ۱۰۰۴ھ) جیسے آزاد خیال حضرات شامل تھے کہ اکبر خود مجتہدِ وقت بن بیٹھا۔ شیعیّت و تفضیلیّت کی گرم بازاری کے سلسلے میں ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "منتخب التواریخ" میں کہیں اشارے اور کہیں تفصیل بیان کی ہے۔ اسی طرح ملا بدایونی کی دوسری کتاب "نجات الرشید" میں بھی شیعیّت و تفضیلیت کی گرم بازاری کی جھلکیاں ملتی ہیں۔

حضرت میر عبدالواحد بلگرامی نے اپنی مشہور کتاب "سبع سنابل" کے پہلے سنبلہ میں شیعیت و تفضیلیت کا رَد کیا ہے اور تفضیلیت کا تو تار پود بکھیر دیا ہے۔ میر عبدالواحد بلگرامی فرماتے ہیں: "اجماع دارند کہ افضل ازجملہ بشر بعد انبیاء ابوبکر صدیق است و بعد ازوے عمر فاروق است و بعد ازوے عثمان ذی النورین است و بعد ازوے علی مرتضےٰ است رضی اللہ تعالیٰ عنہم و بعد ایشاں تمتہ مبشرہ است۔" [۲]
(محدثین وفقہاوصوفیہ) اجماع رکھتے ہیں کہ انبیا کے بعد تمام انسانوں سے افضل ابوبکر صدیق ہیں اور ان کے بعد عمر فاروق اور ان کے بعد عثمان ذی النورین اور ان کے بعد علی مرتضیٰ ہیں رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد بقیہ عشرہ مبشرہ ہیں۔

پھر فرماتے ہیں: "پس چوں اجماعِ صحابہ کہ انبیاء صفت اندبر تفضیل شیخین واقع شدو مرتضیٰ نیز دریں اجماع متفق و شریک بود مفضلہ در اعتقاد وخو دغلط کردہ است۔۔۔ مفضلہ گمان بردہ است کہ نتیجہ محبت بامرتضےٰ تفضیل اوست بر شیخین و نمی دانند کہ ثمرۂ محبت موافقت است باو نہ مخالفت کہ چوں مرتضےٰ افضل شیخین و ذی النورین رابر خود رواداشت واقتدا بایشاں کرد وحکمہائے عہد خلافت ایشاں راامتثال فرمود شرط محبت باوآں باشد کہ در راہ وروش باو موافق باشد نہ مخالف۔" [۳] پس جب جملہ صحابہ کا اجماع کہ جو انبیا صفت ہیں شیخین کی تفضیل پر ہو گیا اور مرتضیٰ بھی اس اجماع میں ان سے متفق اور شریک تھے تو تفضیلیوں نے اپنے اعتقاد (تفضیل مرتضیٰ بر شیخین) میں غلطی کی ہے۔ تفضیلیوں نے گمان کیا ہے کہ مرتضیٰ کی محبت کا نتیجہ ان کو شیخین پر فضیلت دینا ہے وہ یہ نہیں جانتے کہ محبت کا ثمرہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی موافقت ہے نہ کہ ان کی مخالفت۔ جب خود مرتضیٰ نے شیخین اور ذی النورین کا فضل اپنے اوپر روا رکھا اور ان کی اقتدا کی اور ان کے زمانۂ خلافت کے حکموں کو مانا تو ان (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے ساتھ شرطِ محبت یہ ہے کہ ان کی راہ و روش میں ان کے موافق رہیں نہ کہ مخالف۔

مفضلہ کو تنبیہ فرماتے ہیں کہ "ایں ملعون سیاہ روبر خلاف اجماع آن اصحاب مبادرت می کندواز فرمودہ خدا اور سول بیروں می رود ومی پندارد کہ محبت مرتضیٰ علی رامی پرورم طرفہ احمق است کہ مخالفت مرتضےٰ رامحبت تصور کردہ است کہ فرمودۂ خدا اور سول واجماع صحابہ نیز زیرد و عقیدہ فاسد و تصورے باطل پیش گیرد بجز کفر در کفر وضلالت در ضلالت نباشد روایاتے ومسائلے کہ مخالف ومزاحم اجماع اصحاب است سربسر نامسموع ونامقبول وناصواب۔" [۴] یہ ملعون روسیاہ اجماع صحابہ کے خلاف جرأت کرتا ہے اور خدا اور سول کے فرمودہ سے باہر جاتا ہے اور پھر یہ سمجھتا ہے کہ میں مرتضیٰ علی سے محبت رکھتا ہوں۔ عجیب احمق ہے کہ مرتضیٰ کی مخالفت کو ان کی محبت سمجھتا ہے کہ خدا اور رسول کا فرمودہ اور صحابہ کا اجماع نہیں مانتا اور عقیدۂ فاسد اور تصورِ باطل (تفضیلِ مرتضیٰ بر شیخین) کو اگوا بنالیا ہے۔ اس کا نتیجہ کفر میں کفر اور گمراہی میں گمراہی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ وہ روایات و مسائل کہ جو اجماعِ اصحاب کے مخالف و مزاہم ہوں وہ سربسر نامسموع، نامقبول اور ناصواب ہیں۔

میر عبدالواحد بلگرامی تفضیلیوں کے اس شبہ کا ازالہ فرماتے ہیں کہ اگر علی افضل نہ ہوتے تو بیعت وطریقت کے مشہور ومتداول سلسلے ان سے کیوں چلتے؟ یہ شبہات وہ تفضیلی پیش کرتے ہیں کہ جو پیری مریدی کا پیشہ کرتے ہیں۔ میر صاحب لکھتے ہیں: "بسبب آنکہ این خلفاء ہیچ کس راخلیفہ نگرفتہ اندتا بجائے رسول علیہ السلام بنشانند زیرا کہ تابودن خلفائے رسول خلفائے خلفاء راآں استحقاق نباشد کہ بجائے رسول بنشینند دچوں خلافت بمرتضےٰ علی تمام شد ضرورۃً اوحسن بصری راخلیفہ گرفت وبجائے خود بنشاند واز خانوادہ ہاپیدا نہ آمد کہ بمرتضےٰ علی می رسد پس تاخیر مرتضےٰ درنوبت خلافت سبب رجوع خانواد ہاگشت واگر ازیں خلفائے دیگرے متاخر بودے مرجع خانوادہاہموں گشتے۔" [۵] اس کا سبب یہ ہے کہ ان خلفا نے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا کہ اس کو رسول اللہ ﷺ کی جگہ بٹھاتے۔ اس لیے خود رسول اللہ کے خلفا کی موجودگی میں خلفا کے خلفا کو یہ استحقاق نہیں تھا کہ وہ رسول اللہ کی جگہ بیٹھتے اور جب خلافت مرتضیٰ علی پر

تمام ہو گئی تو ضرور تاً انہوں نے حسن بصری کو خلیفہ بنایا اور اپنی جگہ بٹھایا اور ان سے خانوادہائے بیعت پیدا ہوئے کہ جو مرتضیٰ علی تک پہنچتے ہیں پس خلافت کے اعتبار سے حضرت علی کا موخر ہونا خانوادہ ہائے (طریقت) کے ان کی طرف راجع ہونے کا سبب ہوا اور اگر ان خلفا میں سے کوئی متاخر ہوتا تو ان خانوادوں کا مرجع وہی ہوتا۔

میر عبدالواحد بلگرامی مفضلہ سادات کے اس شبہ کا بھی جواب دیتے ہیں کہ چونکہ علی ہمارے دادا ہیں لہٰذا ہم ان کو افضل الخلفا شمار کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں: "اے برادر فضیلت فضل بخشی نہ بدست ایں سادات فضول است تاہر کرا خواہند فضل دہند و یکے را بر دیگرے فضل نہند بل ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ اے عزیز فضائل ایشاں تو چہ دانی وچہ شناسی متولف راست۔" [6] اے بھائی! کسی کو فضل بخشنے کی فضیلت ان سادات فضول کے قبضۂ قدرت میں نہیں ہے تا کہ جسے چاہیں یہ فضل دے سکیں اور ایک کو دوسرے پر فضیلت دے دیں، بلکہ یہ اللہ کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے دیتا ہے۔ اے عزیز! ان کے فضائل کو تو کیا جانے اور کیا پہچانے۔ مولف کہتا ہے:

قطعہ

فضائل خلفاء جبرئیل الف سنہ
گر شش بگوید گفتن تمام نتواند
تو رفتی از خرد تنگ حوصلہ در پے
کہ جز خدا دگرے فضل شاں نمی داند

میر عبدالواحد بلگرامی جس زمانے میں "سبع سنابل" لکھ رہے تھے اسی زمانے میں مفضلہ سادات اس مسئلہ کو بہت زور سے بیان کرتے تھے کہ جملہ سادات عالم خاص وعام کے لیے دخول بہشت اور خیریت خاتمہ کا حکم قطعی ہے۔ چاہے وہ مرتکب کبائر ہوں خواہ مبتلائے حرام خواہ تارک صلوٰۃ ہوں خواہ تارک صیام مگر ان کے خیریت اختتام کا حکم قطعی ہے کیونکہ وہ فرزندان رسول علیہ السلام ہیں حضرت میر بلگرامی نے ان کا رد بلیغ فرمایا ہے اور ان کو تنبیہ کی ہے: "ایں ہمہ بر اعتماد نسبت مرتضیٰ علی می گویند و شرف و فضل رسول علیہ السلام را بہانہ و وسیلہ می جویند کفر را از ایماں نشناسند و از خوف خداوند تعالیٰ نہراسند و بالجملہ سادات را نسبت فرزندی بامرتضیٰ علی نسبتے است قوی کہ فرزندان صلبی ہستند و نیز ایشاں را نسبت فرزندی بارسول است اما نسبتے ضعیف کہ فرزندان دختری ہستند۔" [7] (مفضلہ) یہ ساری باتیں مرتضیٰ علی کی نسبت کے اعتماد پر کہتے ہیں اور رسول علیہ السلام کے شرف وفضل کا بہانہ اور وسیلہ ڈھونڈتے ہیں (یہ لوگ) ایمان کے مقابلے میں کفر کو نہیں پہچانتے اور خداوند تعالیٰ کے خوف سے نہیں ڈرتے۔ مختصر یہ کہ مرتضیٰ علی سے سادات کی نسبتِ فرزندی قوی ہے کیونکہ ان کی صلبی اولاد ہیں اور ان کو رسول (علیہ السلام) سے بھی نسبت فرزندی ہے لیکن یہ نسبت کمزور ہے کہ وہ بیٹی کی اولاد ہیں۔

آگے چل کر فرماتے ہیں: "اگر عقیدہ خیریت خاتمت بالقطع باتکائے شرف مصطفےٰ ﷺ دارند کہ خود را از فرزندان او علیہ الصلوٰۃ والسلام می شمارند ایں نیز باطل است زیرا کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام بافاطمہ کہ فرزند صلبی وحقیقی بود خطاب کرد لَا تَتَّکِیْ اِنِّیْ بِنْتُ رسول اللّٰہِ اعملی اعملی اعملی۔ ایں خطاب بریں سادات کہ فرزندان غیر صلبی وغیر حقیقی ہستند بطریق اولیٰ وارد ہست۔" [8] اگر (مفضلہ) خیریت خاتمہ کا عقیدہ قطعی طور سے شرف مصطفےٰ ﷺ کے بھروسے پر رکھتے ہیں تو یہ بھی باطل ہے کیونکہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فاطمہ سے کہ جو صلبی اور حقیقی اولاد تھیں خطاب فرمایا کہ لا تتکی انی بنت رسول اللہ اعملی اعملی اعملی۔ یہ خطاب ان سادات پر کہ جو (رسول اللہ) کی غیر صلبی اور غیر حقیقی اولاد ہیں بطریق اولا وارد ہے۔

حضرت بلگرامی ایک طویل مقدمے کے بعد اہل بیت کے سلسلے میں یہ تحقیق فرماتے ہیں کہ "باید دانست کہ مردم اہلبیت سہ قسم اند: قسمے اصل اہل بیت اند۔ قسمے داخل در اہل بیت وقسمے لاحق با اہل بیت۔ اما اصل اہل بیت سیز دہ تن اند نہ از واج وچہار دختر داخل ایشاں (اہل بیت) سہ تن اند مرتضیٰ علی وحسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ولاحق با اہل بیت کسانے اند کہ خداوند تعالیٰ ایشاں را از رجس ومعاصی بکلی پاک گردانیدہ است وکمالیت تقویٰ وطہارت بخشیدہ خواہ سادات باشند خواہ غیر سادات چنانکہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اگرچہ سید نبود ولیکن بسبب کمال طہارت اوازرجس لاحق باہل بیت شد وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام سلمانُ منّا اَھْلُ البیت۔" جاننا چاہیے کہ اہل بیت کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم اصل اہل بیت کی ہے، ایک قسم "داخل

دراہل بیت" کی ہے اور ایک قسم "لاحق باہل بیت" کی ہے؛ لیکن "اصل اہل بیت" تیرہ شخصیتیں ہیں: نو ازواج مطہرات اور چار صاجزادیاں؛ "داخل دراہل بیت" میں تین حضرات ہیں: مرتضیٰ علی حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور "لاحق باہل بیت" وہ لوگ ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے ان کو برائیوں اور گناہوں سے کلی طور سے پاک فرمادیا ہے اور ان کو کمال درجہ تقویٰ اور طہارت بخشا ہے؛ چاہے سادات ہوں یا غیر سادات۔ چنانچہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اگرچہ سید نہ تھے، لیکن وہ برائی سے پورے طور سے پاک ہونے کی وجہ سے "لاحق باہل بیت" تھے اور حضور علیہ السلام نے فرمایا سلمان منااہل البیت۔

آخر میں لکھتے ہیں: "پس کمالیت ایمان بسبب کمالیت طہارت است نہ بسبب نسبت سیادت واگر درسیادت طہارت نباشد نسبت منقطع شود وپیوند ساقط گردد چنانکہ از پسر نوح علیہ السلام نسبت پدری وپسری برافتاد۔" پس ایمان میں کمال کا ہونا پاکیزگی (تقویٰ) میں کامل ہونے کی وجہ سے ہے۔ سیادت کی نسبت کی وجہ سے نہیں ہے اگر سیادت میں تقویٰ نہیں ہے تو نسبت منقطع ہوجاتی ہے اور تعلق ختم ہوجاتا ہے جیسے کہ نوح علیہ السلام کے بیٹے کے معاملے میں باپ بیٹے کی نسبت منقطع ہوگئی۔

اکابرِ مارہرہ کا یہی مسلک رہا اور انہوں نے ان عقاید کی نشرواشاعت کی۔ مغل متاخرین کے دورِ حکومت میں جب مرکزی حکومت کمزور ہوگئی تو نووارد ایرانیوں اور سادات بارہہ کا زور بڑھا اور شیعیت کو بھی فروغ ہوا۔ اودھ کے نوابوں اور بادشاہوں کی وجہ سے اودھ، دوآبہ اور روہیل کھنڈ کے علاقے میں شیعیت کو خوب فروغ ہوا۔ جب تک بریلی میں روہیلوں، فرخ آباد میں بنگشوں اور نجیب آباد میں نجیب خانی ریاستیں قائم رہیں اس وقت تک حکومت اودھ کی تبلیغی کوششیں کچھ زیادہ بار آور نہ ہوئیں مگر جب نوابانِ اودھ کی پالیسی سے ان ریاستوں کا خاتمہ ہوگیا تو پھر بڑے زور شور سے ان علاقوں میں شیعیت وتفضیلیت کا زور بڑھا[11] تا آں کہ خاندان سادات مارہرہ میں بھی شیعیّت وتفضیلیت کا شیوع ہوا۔

سید محمد میاں مارہروی لکھتے ہیں: "ہمارے اسلاف کرام اور ان کے اخلاف فخام سب بحمد اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے دین اسلام ومذہب مہذب اہلِ سنّت وجماعت سے آراستہ وپیراستہ چلے آئے تھے اور اپنے اس دین متین ومذہب مہذب میں تعصب وتغلب کو مقبول ومحمود جانتے، مانتے اور بتاتے رہتے تھے۔ اور اگرچہ اودھ کی رافضی سلطنت کے قرب واثر سے بلگرام اور اس کے نواح کے مقامات میں رہنے والے بعض ہماری نسل کے منتسبین میں شیعیت کا دخل ایک عرصۂ کثیر دراز سے ہوگیا تھا جو بامتدادِ زمانہ بڑھتا رہا، مگر بحمدہ تعالیٰ ہمارے اجدادِ کرام کے علم وعمل ظاہری وباطنی اور ان کی پختگی دین ومذہب وحفاظت شریعت نے ہمارے مارہرہ کی نسل میں اس ضلالت کو داخل نہ ہونے دیا۔ جہاں تک معلوم ہوتا ہے اول جما میاں صاحب[12] لکھنؤ اور یورپ کی صحبتوں سے اس طرف مائل ہوئے اور اب ان کی باغ پختہ کی نسل کی جو حالت ہے وہ میں اوپر بتا چکا ہوں اور حضرت سیّد شاہ آل حسین سچے میاں صاحب قدس سرہٗ کے بعد ان کے دوسرے بیٹے سیّد محمد تقی خاں صاحب سے ان کی نسل میں بھی شیعیّت کی کچھ کچھ داغ بیل پڑنا شروع ہوئی اور اب فقیر کے عِلم میں اس نسل کا کوئی بھی ایسا نہیں جو شیعہ بتفاوت حرابت نہ ہو اور ہمارے حضرات کی صاحبزادیوں کی بھی جو نسل مارہرہ سے باہر کوات، بلگرام، باڑی سانڈی وغیرہ میں ہے ان میں بھی ایک عرصے سے شیعیّت گھس گئی ہے۔"[13]

یہ تو خاص مارہرہ کے خاندانِ برکاتیہ کا حال تھا؛ حضرت شاہ ابوالحسین نوری میاں کے زمانے میں بدایوں میں شاہ دلدار علی مذاق میاں بدایونی[14] نے پیری مریدی کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ تفضیلی بزرگ تھے۔ حضرت شاہ فضل غوث بریلوی (ف۱۳۰۸ھ) کے مرید وخلیفہ تھے اور وہ حضرت شاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی (ف۱۲۳۵ھ) کے خلیفہ تھے۔ مذاق میاں کا مسلک اکابرِ مارہرہ کے خلاف تھا؛ انہوں نے روہیل کھنڈ میں سب سے پہلے علی مرتضیٰ کا پہلا میلاد شریف "میلاد مصطفوی ومرتضوی" لکھا اور مروج کیا۔ اسی طرح حضرت علی کا ایک سہرا لکھا، جو اکثر شادی کے موقعوں پر پڑھا جاتا ہے۔ اس کا پہلا شعر یہ ہے؎

علی نوشہ بنا سہرا بندھا مشکل کشائی کا
ملا خلعت نبی سے خلق کی حاجت روائی کا

اور بقول مشہور شیعہ مشنری مولوی لقاء علی حیدری بدایونی (ف ۱۹۶۴ء) یہ سہرا بہت مقبول ہوا۔ حضرت علی کی مدح کے چند اشعار

ملاحظہ ہوں۔

علی اوّل علی آخر علی باطن علی ظاہر
علی فانی علی باقی بقا مولیٰ علیٰ اعلیٰ[۱۵] (صفحہ ۱۱۶)
نصیری کا نصیر اور بحروبر میں ناصر بندہ
خدا و نا خدا و با خدا مشکل کشا مولیٰ علی اعلیٰ[۱۶] (صفحہ ۱۱۶)
اخی ہے اور ولی ہے اور وصی ہے والدِ سبطین
نبی کا خویش زوجِ فاطمہ مولا علی اعلیٰ (صفحہ ۱۱۷)
بارھویں کے بعد جیسے تیرھویں تاریخ ہے
ویسے ہی بعد از نبی اللہ ہے مولیٰ علی (صفحہ ۱۱۸)
مادر عیسیٰ تھیں گو بیت المقدس میں مقیم
لیکن باہر ابن مریم پارسا پیدا ہوئے (صفحہ ۱۱۸)
فاطمہ بنت اسد کے دردِزہ جس دم ہوا
سنگ اسود پر وہ نورِ کبریا پیدا ہوئے (۱۱۸)
ظاہر وباطن امام اوّلین وآخرین
بوالائمہ دوجہاں کے مقتدا پیدا ہوئے (صفحہ ۱۱۹)
پہلے تھا بیت المقدس قبلہ پھر کعبہ ہوا
باعث تحویل قبلہ پیشوا پیدا ہوئے (صفحہ ۱۲۰)
سب نمازی اہل قبلہ سوئے مکہ سر جھکائیں
اس لیے کعبہ میں وہ قبلہ نما پیدا ہوئے (صفحہ ۱۲۰)
افتخار ہر ہستی وہر ولی مولیٰ علی
فخر کل خیر حضرت خیر الوریٰ پیدا ہوئے (صفحہ ۱۲۰)
بطنِ مادر میں نبی سے معنی قرآن کہے
مصحف ناطق ہوئے جب ظاہراً پیدا ہوئے (صفحہ ۱۲۰)
جلوہ اوّل محمد جلوہ ثانی علی
باعثِ ایجاد عالم فخر انسانی علی (صفحہ ۱۲۰)
اوّل، آخر، ظاہر وباطن ظہورِ کن فکاں
زینتِ کون ومکاں ونورا مکانی علی (صفحہ ۱۲۰)
مظہر نام علی اعلیٰ ہوا مولیٰ علی
ظاہر انام خدا بندہ خدا کا ہوگیا (صفحہ ۱۲۳)
ہے شروع اس سے امامت اور خلافت سپہ ختم
وہ خلیفہ ابتداءً انتہا کا ہوگیا (صفحہ ۱۲۴)
دیکھا جہاں وہاں علی اعلیٰ نظر پڑا
کوئی جہاں میں نہ علی سا نظر پڑا (صفحہ ۱۲۴)
کرسی وعرش پر بھی نظر آیا بوتراب
افلاک پر یہ خاک کا پتلا نظر پڑا (صفحہ ۱۲۴)

مذاق میاں کے خاندان میں ماہِ محرم کے پہلے دس روز زمین پر سوتے ہیں۔ غمِ حسین میں تمام وہ مراسم ادا کیے جاتے ہیں جو اہلِ تشیع کرتے ہیں۔

مذاق میاں کے ہم عصر مولانا عبدالقادر بدایونی (ف ۱۹۰۱ء) تھے، جن کے خاندان میں تین پشت سے سلسلۂ بیعت وارشاد جاری تھا۔ پھر علم وفضل اور درس وتدریس کے اعتبار سے مدرسۂ قادریہ بدایوں کی دور دور شہرت کو دیکھ کر مذاق میاں بدایونی کے بعض مریدین وخلفا مثلِ قاضی علی احمد، محمود اللہ مذنب مذاقی بدایونی، مولوی عبدالحی صفا بدایونی وکیل، فضل اکرم فرشوری بدایونی وکیل، شیخ اعجاز احمد نوشہ شیخوپوری وغیرہ نے تصنیف وتالیف نیز ہر طریقے سے مذاق میاں کو مولانا عبدالقادر بدایونی کا مقابل اور حریف ٹھہرایا۔

اسی زمانے میں شاہ نیاز احمد بریلوی (ف ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء) کے فرزندِ اصغر شاہ نصیر الدین عرف چٹیاوالے میاں (ف ۱۳۵۰ھ) نے بدایوں میں اپنا سجادہ اور خانقاہ قائم کی۔ شاہ نصیر الدین کے بڑے بھائی شاہ نظام الدین (ف ۱۳۲۲ھ) بریلی میں صاحب سجادہ تھے۔ بعض اختلاف کی وجہ سے شاہ نصیر الدین اپنی والدہ کو لے کر بدایوں آ گئے تھے۔ یہ دونوں سجادے بھی تفضیلی عقائد رکھتے تھے۔ شاہ نیاز احمد بریلوی اس مسلک کے علمبر دار تھے۔ ان کا ایک مرید ایک مرتبہ "تحفۂ اثنا عشریہ" خانقاہ میں لے آیا تھا، اس بات پر شاہ نیاز احمد نے سخت برہمی کا اظہار فرمایا اور جب یہ کتاب خانقاہ سے چلی گئی تب خانقاہ میں آئے۔[۱۷] عشرہ محرم میں تعزیوں کے جلوس میں شریک ہوتے، ان کی تعظیم کرتے۔ عزاداری اور مرثیہ گوئی کی مجلسوں میں حصہ لیتے۔[۱۸] "دیوانِ نیاز" کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔[۱۹]

اے دل بگیرد دامنِ سلطانِ اولیاء
یعنی حسین ابن علی جانِ اولیاء (صفحہ ۱۱)
چوں صاحب تمام نبی اوعلی است او
ہم فخر انبیاء شدوہم شان اولیاء (صفحہ ۱۱)

زہے عزوجلال بوترابی فخر انسانی
علی مرتضیٰ مشکل کشائی شیر یزدانی (صفحہ ۵۵)
ولی حق وصی مصطفےٰ دریائے فیضانی
امام دوجہانی قبلۂ دینی وایمانی (صفحہ ۵۵)
انیس محفل انسی جلیس محفل قدس
سرور جان خاصانی نشاطِ روح پاکانی (صفحہ ۵۵)
نیازؔ اندر قیامت بے سرو ساماں نخواہی شد
کہ از حُبِّ تولائے علی داری تو سامانی (صفحہ ۵۵)

غرض بریلی اور بدایوں میں یہ تینوں خانقاہیں بڑے زور شور سے تفضیلیت کی نشرو اشاعت میں مصروف تھیں پھر ان کا سلسلہ دور دور پھیل رہا تھا۔

قصبہ آنولہ ضلع بریلی میں شاہ نظام الدین بریلوی کے ایک مرید حاجی احمد حسین صاحب پنجابی سوداگر تھے۔ انہوں نے آنولہ میں پیری مریدی کا سلسلہ شروع کرکے ان عقاید کی نشرو اشاعت کی۔ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب (ف ۱۹۶۴ء) لکھتے ہیں:"عروج سے پہلے نماز روزے کے پابند تھے وعظ بھی کہا کرتے تھے۔ گو علمی قابلیت زیادہ نہ تھی مگر گویائی بڑھی ہوئی تھی۔ جب سے شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی کے خاندان میں مرید ہوئے سب باتوں میں انقلاب ہوگیا۔ آنولہ کی تعزیہ داری قریب قریب ختم ہوچکی تھی، اس کو آپ نے ہی زندہ کیا۔ اوّل ایک دیگ زردے کی پکا کر مخصوص لوگوں کو کھلانا شروع کی پھر جتنی کھانے والوں کی تعداد بڑھتی گئی اتنا ہی کھانا پکانا بھی بڑھاتے گئے روٹی کی بات موٹی ہے۔ اب کھانے والے ہر جگہ تعریفوں کے پل باندھنے لگے۔ جب حاجی صاحب کو یقین کامل ہوگیا کہ اب آنولہ کی اکثریت میر الوہامان گئی اور کسی مخالف کی مخالفت کارگر نہیں ہوسکتی تو بے دھڑک ہر محفل میں وعظ کہنے لگے کہ میرا عروج اور ترقی علم اور تعزیوں کی عزت کرنے سے ہورہی ہے اور جو کچھ مجھے دے رہے ہیں امام حسین علیہ السلام دے رہے ہیں جہاں کہیں تعزیہ یا علم نکلتا تھا مؤدبانہ دست بستہ اس طرح کھڑے ہوجاتے تھے جس طرح نماز کو کھڑے ہوتے ہیں۔ عوام ان کا وعظ سن کر اور ان کا عروج دیکھ کر تعزیہ داری کرنے پر مائل ہوتے جاتے تھے۔ گو روکنے والے روکتے تھے مگر پلاؤ زردہ اور لذیز کھچڑے کے سامنے کون سنتا تھا؟ اب لنگر خانہ اس قدر وسیع کردیا تھا کہ عشرۂ محرم الحرام میں دس روز برابر کھانا کھلاتے تھے اور ہر تاریخ ایک محلے کے لیے مخصوص کردی تھی۔ آپ سیّدوں کی بہت تعظیم کرتے تھے خواہ وہ سید کیسا ہی بداعمال ہو لیکن آپ کا مداح ہو۔ مولانا مولوی سیّد سراج الدین احمد صاحب شاہ جہاں پوری سید بھی تھے اور حاجی صاحب کے استاد بھی تھے، لیکن حاجی صاحب کو ان سے دلی عداوت تھی کیونکہ مولوی صاحب نے رسالہ "جواز تعزیہ" کا رَد لکھ کر شائع کردیا تھا۔ شیعہ حضرات ندیمان خاص تھے۔ مساجد اور خدا کے نام پر پیسہ دینے میں تامل تھا لیکن امام حسین کے نام پر اور تعزیہ بنانے والوں کی امداد کرنے میں کسی قسم کا تامل نہ کرتے تھے۔"[۲۰]

یہ تھا خانقاہِ نیازیہ اور چٹیاں والے میاں کے مریدوں اور خانقاہِ نیازیہ کا رنگ بدایوں میں مذاق میاں اور بریلی میں شاہ نظام الدین تفضیلیت کے علم بردار تھے، جس کا سلسلہ دوسرے قصبات و دیہات آنولہ، سنبھل اور مراد آباد وغیرہ میں بڑی تیزی سے پھیل رہا تھا۔

سب سے پہلے ہم مولانا عبدالقادر بدایونی کی کوششوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ مولانا نے ردِّ روافض میں ایک رسالہ "ہدایت الاسلام" لکھا۔[۲۱] اسی طرح انہوں نے اپنے تلمیذِ رشید سیّد حسین حیدر حسینی قادری برکاتی مارہروی[۲۲] کے استفتا کے جواب میں ایک رسالہ لکھ دیا، جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب دلائل وبراہین سے نقل فرمائے۔ اس فتویٰ پر بطور تصویب علماء بدایوں مولانا نیاز احمد، مولوی سراج الحق، مولوی فصیح الدین قادری، مولوی محب احمد، مولوی جمیل الدین احمد قادری، مولوی فضل المجید قادری اور مولوی سدید الدین احمد صاحبان کے دستخط ہیں۔ اس رسالے کا نام "تصحیح العقیدۃ فی باب امیر معاویۃ" رکھا۔ اس رسالے کے سلسلے میں سید حسین حیدر مرحوم لکھتے ہیں:"بعض کسان باوجود ادّعاءِ اعتقادِ مذہب اہلِ سنّت وجماعت نسبت بعض اصحابِ کرام سوءِ عقیدت می دارند بلکہ کلمات استخفات واہانت برزبان می آرند بناء علیہ فقیر حقیر محض بدردوین از محبت ایمانی استفتائے دریں امر از علمائے اہلِ سنّت خواستہ وجواب آن حاصل ساختہ وبرائے زیادتی فائدہ بجمع وطبع آں پرداختہ حق سبحانہ توفیق خیز بجمیع اسلام عنایت غاید وثواب ایں امر خیر بہ فقیر عطا فرماید آمین

وایں رسالہ بہ "تصحیح العقیدہ فی باب امیرمعاویہ" موسوم ساختم"۔

جس طرح مولانا عبدالقادر بدایونی نے مناقب حضرت امیر معاویہ میں یہ رسالہ لکھا ہے اسی طرح وہ یزید پر لعنت سے منع فرماتے تھے اور کفر ابوطالب کے قائل تھے۔ سید محمد اسمٰعیل حسن (ف ۱۳۴۷ھ) اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: "حضرت استاذی (مولانا عبدالقادر بدایونی) قدس سرہٗ (لعن یزید) سے منع فرماتے تھے (یعنی لعنت کرنے سے ذکر اللہ کرنا بہتر ہے ورنہ جمہور علماء و مشائخ کے نزدیک ملعون ہے) اور کفرِ ابو طالب میں میرے بزرگ ساکت مثل شیخ محدث دہلوی تھے اور حضرت استاذی قدس سرہٗ کا فرجانتے تھے۔[۲۳]

ایک اور جگہ مکتوب میں لکھتے ہیں: "کفر ابوطالب میں مولوی شاہ احمد رضا خاں صاحب (بریلوی) کا ایک رسالہ ہے اور اس میں کفر ثابت کیا گیا ہے۔ حضرت استاذی قدس سرہٗ نے اس کی تصدیق فرمائی ہے۔"[۲۴]

مذاقی سلسلے کے بعض حضرات نے اپنی معتقدات کے بیان میں چند رسالے "مخزن الانوار" و "تحفتہ الاخیار" و "تحقیق العقول المجید" وغیرہ لکھے اور مشتہر کیے۔ بدایوں، بریلی، مارہرہ سے ان رسائل کا بھی بلاواسطہ اور بالواسطہ رد کیا گیا۔ اس سلسلے کا ایک رسالہ "تنبیہ ملحدین اشرار" ہے۔ رسالہ "تادیب المذنب البلید" حافظ غلام حسین گلشن آبادی نے شائع کیا ہے جو مطبع گلزار حسینی بمبئی سے شائع ہوا ہے۔ اس رسالے میں مولوی علی احمد مذنب مذاقی بدایونی کے رسالہ "تحفتہ الاخیار" کا عالمانہ انداز میں رد کیا گیا ہے اور رسالہ "تادیب المذنب البلید" مذنب بدایونی کے رسالہ "تحقیق العقول المجید" کا رد ہے۔

حافظ غلام حسین "تنبیہ ملحدین اشرار" کے آغاز میں لکھتے ہیں: "بعد حمد وصلوٰۃ کے واضح ہو کہ طوائف فرق شیعہ نے عبداللہ ابن سبا سے لے کر سید دلدار علی[۲۵] وغیرہ تک واسطے تغلیظ عوام اہل اسلام کے جو مطائد شائع کئے اگرچہ رد وطرد اس کا "صواعق" و "صواقع" و "تحفہ اثناعشریہ" و "تنبیہ الفیہہ" و "رجوم الشیاطین" وغیرہ کتب اہلِ سنّت سے بخوبی ظاہر ہے لیکن بحکمت تقدیر الٰہی ہر وقت نئے نئے مکائد شیعہ کے ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ بالفعل بمقام گلشن آباد (جاورہ) دس پانچ آدمی طائفہ مذاقیہ کے جو اپنے تئیں بہ تقلید اپنے سردار کے سنی بے تعصب اور شیعہ بے تبرا مشہور کرتے ہیں بحیلۂ مذاق تصوّف وادعاءِ عرفان و ولایت کے ایسے عقائد ومسائل ظاہر کرتے ہیں جو قطعاً ضلالت ہیں اور پھر نسبت ان کی طرف سلف صالحین کے کرکے عوام کو بہکاتے ہیں تا آنکہ جھوٹی آیات وحدیث تصنیف کرکے خدا تعالیٰ ورسول خدا ﷺ پر بھی افترا وبہتان کرتے ہیں چنانچہ رسالہ "مخزن الانوار" وغیرہ رسائل مطبوعہ مذاقیہ سے ظاہر ہے اور منجملہ خیالات مذاقیہ کے یہ عقیدہ بھی ہے کہ چونکہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہ کی ذات پاک عین النفس ذات حیات سید المرسلین ﷺ کی ہے پس جناب امیر مرتبہ اکرمیّت وتقرب وافضلیت عنداللہ میں سب مخلوقات سے بجز حضور سید المرسلین ﷺ کے افضل ہیں پس اگرچہ دیگر انبیاء کرام کو من حیث النبوۃ والرسالت اور حضرات شیخین کو من حیث السلطنت والخلافت تقدم ظاہری جناب امیر پر حاصل ہے مگر جو شخص حضرات شیخین بلکہ انبیاء کرام کو بھی باعتبار اکرمیت وتقربِ الٰہی کے حضرت علی سے افضل جانے اور انبیاء کرام وحضرت شیخین سے مرتبہ حضرت علی کا کم جانے وہ گمراہ ودشمن اہل بیت رسول اللہ ہے اور اس کی دلیل میں چند اشعار مذاقیہ پیش کرتے ہیں چونکہ وہ خرافات قابل التفات کسی جاہل کے بھی نہ تھے۔ لہٰذا بالفعل اس کی تائید میں چند اوراق مطبوعہ بطور محض بنام "تحفہ اخیار" کے جو گلشن آباد میں کسی شخص مسمی علی احمد مذنب مذاقی بدایونی کے نام سے آئے ہیں اور کسی جہول مجہول شریر کو اس کا ٹھہرایا ہے اور عوام کے سامنے پیش کیے گئے ہر چند ایسے خرافات سے طائفہ مذاقیہ کی جہالت وبطالت وضلالت اہل علم پر بخوبی ظاہر ہے مگر زندیقوں کی ہدایت اور دیگر ناواقفوں کی حفاظت مذہب اہلِ سنّت کی حمایت کے لئے ان اوراق مذاقیہ کے جواب میں یہ رسالہ مختصر مطابق تحقیقات اکابر مشہورین اکابر سنت لکھا گیا اور نام اس رسالے کا "تنبیہ ملحدین اشرار" رکھا گیا۔"[۲۶]

حافظ غلام حسین صاحب نے مولانا عبدالقادر بدایونی کی خدمت میں ایک مکتوب بھی لکھا[۲۷] اور اس خط میں مؤلفِ رسالہ مولوی علی احمد مذنب بدایونی کے متعلق بعض معلومات چاہیں اور چند سوالات کے جوابات چاہے۔

سوالِ اوّل: جو شخص باوجود کلمہ گوئی اسلام اور صلوٰۃ الی الکعبہ کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت انبیاء کرام مثلاً حضرت ابراہیم یا حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام پر مرتبہ تقرب باطنی و کرامت اخروی میں عند اللہ تفضیل دے اس کا کیا حکم ہے؟

سوالِ دوم: تفضل حضرت شیخین حضرت علی پر حق ہے یا بالعکس اور مراد تفضل شیخین سے کیا ہے۔ زیادت تقرب الٰہی و مرتبہ اخروی ہے یا زیادت سلطنت دنیوی و تقدم فی الخلافہ و بس؟

سوالِ سوم: خوارج کے کفر میں اختلافِ اہلِ سنّت ہے یا وہ بالا جماع کافر ہیں؟

سوالِ چہارم: روافضِ تبرّائی کا اور خوارج کا ایک حکم ہے یا ان دونوں فرقوں میں کچھ فرق ہے اور جو شخص خوارج کو کافر و مرتد کہے مگر روافضِ تبرائی کو کافر نہ جانے اور مصاہرت وغیرہ ان سے جائز بتلائے وہ کیسا ہے؟

سوالِ پنجم: یزید کے بارے میں اہلِ سنّت کا کیا مذہب ہے؟ اس پر لعنت کرنے کا کیا حکم ہے؟ فقط

مکتوب جناب مولانا عبد القادر بدایونی

مولوی صاحب! کرم فرمائے غائبانہ زاد لطفہم۔ بعد سلام واضح ہو آپ کا خط بظاہر عنایت نامہ اور فی الحقیقت عتاب نامہ ہے موصول ہوا اگرچہ میں آپ کی یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ کی حق طلبی پر آپ کا مداح ہوں، لیکن تعجب یہ ہے کہ آپ کو اس امر کا کہ رسائل مذاقیہ اس فقیرِ حقیر کی صلاح واصلاح سے شائع ہوتے ہیں، کیوں کر یقین ہو گیا۔ باقی تلمذ و استفادہ کا جو آپ نے ذکر فرمایا ہے اس کی نسبت اتنا لکھنا کافی ہے کہ یہ خبر جو آپ تک پہنچی ہے بے شک صحیح ہے۔ شخص معلوم (مولوی علی احمد مذنب بدایونی) نے میرے ہی مدرسہ میں مولوی سید عبد الصمد سہسوانی اور مولوی محب احمد صاحب بدایونی کی شاگردی کی ہے اور مجھ سے بھی پڑھا ہے۔ مدرسۂ قادریہ میں طلبہ علوم کے ذیل میں درس لیا گیا ہے اور یہ بھی تسلیم ہے کہ ان کے والد ماجد راقم کے خاندان کے منقاد و مرید ہیں اور خود مجھ سے بھی ترجمہ مشکوٰۃ شریف کا پڑھا ہے، مگر یہ سب امور اس بات کی دلیل نہیں ہوسکتے کہ میں شخصِ معلوم کے ہر عقیدے اور ہر فعل کا ہر وقت ذمّے دار ٹھہرایا جاؤں۔ مولوی صاحب! خوب سمجھ لیجیے کہ ایک یہی کیا اور بھی بہت سے لوگوں نے مجھ سے پڑھا ہے اور پھر آخر کو ہوائے زمانۂ پرفتن نے ان میں اثر کیا اور ان کے خیالات مذہب مقدس اہلِ سنّت کے خلاف ہو گئے۔ کوئی وہابی، کوئی نیچری، کوئی شیعی ہو گیا۔ اوّل اوّل فہمائش کی گئی جب دیکھا کہ اثر بدعت پورا ہو چکا اور ختمِ الٰہی کا رنگ قلب پر محیط ہو گیا انقطاع کر لیا گیا۔ اس میں مجھ پر کیا الزام ہے اور میں ان کم بخت ناشدنی تلامذہ کے تصحیح عقائد کا کیونکر ذمہ دار ہو سکتا ہوں۔ مولوی امیر احمد صاحب سہسوانی وغیرہ وغیرہ کا حال کس کو معلوم نہیں اور شخص مسئول عن حالہ کا حال مفصل لکھنا تو بے فائدہ ہے۔ صرف خلاصہ اس قدر بافسوس لکھتا ہوں کہ یہ شخص طالب علمی چھوڑ کر شاعری اُردو میں مشغول ہوا ہے۔ چند مدت سے بسبب تقرب و قرابت اہل تشیع کے (جس سے ہمارے شہر کے سُنّیوں کو چنداں پرہیز نہیں) اپنے پچھلے عقائد مذہب سنت و جماعت کو ترک کیے ہوئے ہیں تحریراً تقریراً ہر طرح اس کے شکوک رفع کیے گئے۔ کتب ائمہ و اکابرین صوفیہ وفقہاء و محدثین و مفسرین و متکلمین متقدبین و متاخرین دکھائی گئیں؛ لیکن محبت و مخالطت، مؤدت و مصاہرت مبتدعینِ لیام نے اس قدر گہرا رنگ بدعت چڑھایا تھا کہ اس کے تاریک دل سے رنگِ بدعت نہ مٹنا تھا، نہ مٹا بلکہ فہمائش نے الٹا اثر یہ کیا کہ مجھ سے مخالفت مذہبی اختیار کر کے ہر وقت درپے میرے آزار جانی کے ہی رہنے لگا حتّٰی کہ اخبارات وغیرہ میں بھی امور مُستہجنہ خلاف واقع میری نسبت شائع کراتے رہتے ہیں مگر ان سب باتوں کی مجھ کو ہرگز ان سے کوئی بھی شکایت نہیں اور آپنے بھی جو کچھ خط میں بلاوجہ بغیر تحقیق کے لکھ دیا آپ سے بھی کوئی شکایت نہیں اور بدایوں میں بدمذ ہوں کے ہونے کا آپ تعجب کرتے ہیں یہ بھی امر عجیب ہے۔ اس عہد میں اکثر ایسے بلاد ہیں جہاں وہابی نیچری، رافضی، تبرائی، شیعہ، مفضلہ وغیرہ مذاہبِ باطلہ نہ پائے جاتے ہوں؛ خصوصیّت بدایوں کی کیا ہے؟ بہر حال آپ کے سوالات کا جواب مطابق اپنے عقیدے کے جو موافق سلف صالحین کے ہے لکھتا ہوں۔ الجواب واللہ اعلم للصواب۔

اوّل: تفضیل دیے والا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کسی نبی پر حضرت انبیا کرام سے گو کلمۂ شہادت پڑھے اور نماز ہمارے قبلہ کی طرف پڑھا کرے وہ قطعاً کافر و مرتد ہے کہ افضلیتِ نبی غیر نبی سے داخل ضروریاتِ دین سیّد المرسلین ہے۔

دوم: تفضیل شیخین کی حضرت جناب مرتضوی اور جملہ اہل بیت وصحابہ وتمام امت پر حق ہے جو اس کا منکر ہے وہ گمراہ ہے اور مراد تفضیل سے اکرمیت عند اللہ و زیادت تقرب باطن و کثرت ثواب اخروی میں ہے نہ صرف امور دنیویہ مثل منصب خلافت وحکومت کے۔

سوم: خوارج کے کفر میں اختلاف ہے۔ اکثر متقدمین کے نزدیک کافر نہیں ہیں اور اکثر متاخرین کے نزدیک کافر ہیں۔ پس خوارج کے مسلمان کہنے والے جو ایک گروہِ ائمۂ دین سے ہیں ان کو گمراہ اور دشمن اہلبیت کرام کہنا شیعہ رفض ہے۔

چہارم: یزید کے بارے میں اکابر اہلِ سنّت کا اختلاف ہے۔ محققین اہل حق کے نزدیک حکم کفر ثابت نہیں اور لعنت ممنوع۔ محتاطین کے نزدیک احوط واسلم توقف ہے اور یہی میرے نزدیک بہتر ہے اور جو شخص جواز لعنت وحکم کفر کو اجماع اہل حق کا ٹھہراتا ہے اور ائمہ مانعین ومتوقفین کو دشمن اہل بیت کرام کا کہتا ہے وہ رافضی ہے۔

پنجم: جن علما کے نزدیک خوارج کافر ہیں ان کے نزدیک رافضی تبرائی بھی کافر ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے متاخرین محققین کا؛ پس جو خوراج کو تو کافر مانے اور باوجود اس کے رافض کو کافر نہ کہے اور ان سے مناکحت ومصاہرت جائز بتائے وہ بے شک رافضی ہے کہ تفرقہ کی کوئی وجہ نہیں ہے اگر بغض ولعن وتکفیر اہل بیت کفر ہے تو بغض ولعن وتکفیر حضرات شیخین بھی کفر ہے۔ اس میں فرق نہ کریگا مگر وہ شخص جو ظاہر میں سنی اور باطن میں رافضی ہے۔ فقط۔

رسالہ "احسن الکلام" جس میں عقاید مذہب اہلِ سنّت عربی میں بطور متن مندرج ہیں اور بین السطور اس کا ترجمہ اردو میں عام فہم کے واسطے کیا گیا ہے اور فتویٰ رِدّر وافض مرسل خدمت ہیں اور رسائل مذاقیہ جو آپ نے بھیجے تھے واپس کرتا ہوں اور اسی قدر لکھنا کافی سمجھتا ہوں کہ یہ رسائل مذاقیہ مخالف مذہب اہلِ سنّت کے ہیں۔[۲۸] (عبدالقادر)

مذاق میاں کے ایک مرید حافظ محمد یوسف حسین پیرجی جاؤرہ والے (ف۱۳۲۹ھ) تھے انہوں نے "مثنوی مولانا روم" کا اُردو منظوم ترجمہ "پیراہن یوسفی" کے نام سے کیا ہے اور بھی متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ انہوں نے "پیراہن یوسفی" وغیرہ میں تفضیلی عقائد حسب موقع نقل کر دیے تھے۔ اس سلسلے میں عبدالرحمٰن گلشن آبادی نے مختلف علماءِ کرام سے فتوے حاصل کرکے ایک رسالہ مرتب کیا جس کا نام "تادیب المزاقیہ" رکھا ہے۔ اس رسالے کے شروع میں عبدالرحمٰن صاحب لکھتے ہیں: "بعد حمد وصلوٰۃ کے واضح ہو کہ چند ایام سے بمقام گلشن آباد جاورہ چند اشخاص جو اپنے تئیں طائفۂ مذاقیہ کہتے ہیں۔ تحریرات وتقریرات میں نہایت بے ادبی احکام شریعت اسلام اور گستاخی ملائکہ کرام اور انبیاء علیہم السلام کی کرتے ہیں اور مدعی ہیں کہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہ کل انبیاء سے بجز حضور محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے افضل واشرف ہیں الیٰ غیر ذالک من الا عتقادات الفاسدۃ والا لحادات الکاسدۃ من جملہ ان تحریرات کے کتاب پیراہن یوسفی میں بھی ایسے مضامین کو جابجا ظاہر کیا ہے لہٰذا بطورِ نمونہ کے اس کے چند اقوال سے استفتاء کیا گیا تھا۔ چنانچہ ایک فتویٰ مصدقہ جناب مولوی لطف اللہ صاحب قاضی ریاست اسلامیہ رامپور اور مولوی یقین الدین صاحب چشتی فخری اور مولوی ارشاد حسین صاحب نقشبندی مجددی اور مولوی احمد رضاخاں صاحب قادری برکاتی وغیرہم کا جو حاصل ہوا بندۂ عاجز عبدالرحمٰن گلشن آبادی عفر اللہ تعالیٰ لہٗ نے بطور رسالہ کے جمع کیا اور نام تاریخی اس کا تا دیب المذاقیہ رکھا۔"[۲۹]

مذاقی سلسلے کے کسی صاحب نے رسالہ "مخزن الانوار" لکھ کر شائع کیا تھا اس کا جواب عبدالرحمٰن صاحب نے "تادیب ضالین" کے نام سے لکھا ہے عبدالرحمٰن صاحب لکھتے ہیں: "بمقام گلشن آباد ملک حالوہ چند اشخاص متصوفہ اپنے تئیں طائفۂ مذاقیہ کے لقب سے ملقب کرتے ہیں ایسے رسائل شائع کرکے ان سے عقائدِ فاسدہ نکالتے ہیں اور لوگوں کو ایسے اقوال وعقائد کی طرف دعوت کرتے رہتے ہیں از انجملہ رسالہ "مخزن الانوار" مطبوعہ کانپور مطبع نول کشور نظر سے گزرا، جس کے سبب سے بعض عوام بسبب ناواقفی وجہالت کے اس کے مصنّف اس کے مرتب کو علمائے اعلام ومشائخ عظام سے سمجھ کر دھوکے میں پڑتے ہیں اور اس پر اعتقاد رکھنے کو زمرِ مشیخت جانتے ہیں لہٰذا محض بدر دین اسلام واسطے حفاظت ائمہ مسلمین کے تنبیہ اصحاب جہالت وبطالت اور تادیب ارباب ضلالت وغوایت کے اس عجالہ مختصرہ میں ضرور جانی اور نام تاریخی اس رسالے کا "تادیب ضالین" ہے۔"[۳۰]

مولانا عبدالقادر کے تلمیذ مولوی عبدالصمد سہسوانی ثم پھپھوندی (ف ۱۳۲۳ھ) تھے۔ انہوں نے پھپھوندی میں شیعوں کا تقریری رد کیا اور ایک کتاب "ارغام الشیاطین فی تردید متعتہ الشیعین" فرماکر مفید عام پریس آگرہ میں طبع کراکے شائع کی بقول ملفوظ مصابیح القلوب: "یہ کتاب بظاہر صرف متعہ کی بحث میں ہے، مگر ضمنی طور پر تمام اصول مسائل شیعہ کی تردید فرمائی گئی ہے۔"[۳۱]

مولوی عبدالصمد سہسوانی ثم پھپھوندوی کے فرزند وجانشین مولوی مصباح الحسن صاحب پھپھوندوی نے بھی شیعیت وتفضیلیت کارد کیا۔ کاکوری کے مشائخ تفضیلی عقائد رکھتے تھے۔ آخر زمانے میں تکیہ کاکوری کے سجادہ نشین شاہ حبیب حیدر قلندر تھے ان کے چھوٹے بھائی علی حیدر نے ایک کتاب "احسن الانتخاب"[۳۲] لکھی جس میں مثالب ومطاعن صحابہ بلکہ خلفائے ثلاثہ راشدین شامل تھے۔ اس کتاب پر مولوی مصباح الحسن صاحب سے تقریظ حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ انہوں نے اس سلسلے میں مسلکِ اہلِ سنّت کا اظہار کرتے ہوئے تنقید کی۔ اس سلسلے میں تکیہ کاکوری کے سجادہ نشین شاہ حبیب حیدر قلندر صاحب سے خط وکتابت ہوئی اور انہوں نے شاہ صاحب کاکوروی کو مسکت جواب دیے یہ خط وکتابت "بوارق العذاب لاعداء الاصحاب" کے نام سے ۱۳۵۳ھ میں مطبع (رحیمی بمبئی نمبر ۸) سے شائع ہوچکی ہے۔[۳۳]

مولانا عبدالقادر بدایونی کے بھائی کے پوتے حکیم عبدالقیوم کے سلسلے میں مؤلفِ "اکمل التاریخ" لکھتے ہیں: "بدایوں میں بہ سبب اختلاط قربت و قرابت وکثرت مرافقت و مؤدت فرقہ شیعہ بعض قلوب میں اس قدر مداہنت نے اثر کرلیا تھا کہ[۳۵] ملاطفتِ ظاہری کے علاوہ یہ اختلاط صنعت ایمانی کا سبب ہوچکا تھا۔ ماہ محرم الحرام کے عشرۂ اولیٰ میں مجالس ذکر شہادت حضرات سبطین میں مراثی شعراء شیعہ جن کے شعر شعر کی رگ وپے میں بوئے سب تبر اور اہتمام وافترا سازی ہوتی ہے۔ خود انہیں کے سوز خوانوں یا کتاب خانوں سے پڑھوائے جاتے تھے۔۔۔ (حکیم عبدالقیوم نے) ایک مجمع عام اہلِ سنّت میں یہ رائے پیش کی مجالس شہادت کا نامہذب طریقہ بدلنا چاہیے اور طرز مرغوب جو عنداللہ اور عندالرسول مستحسن ومحبوب ہو قائم کرنا چاہیے، اگرچہ بادی النظر میں سبب اختلاط وشدت ارتباط یہ طریقہ بدلنا دشوار معلوم ہوتا تھا مگر آپ کے خلوص قلبی نے رنگ دکھایا۔"[۳۴]

مولانا عبدالقادر بدایونی نے شیعیّت اور تفضیلیت کا جوردّ کیا ہے اس کو سراہتے ہوئے مولانا احمد رضا خاں بریلوی لکھتے ہیں:

سُنیت سے پھرا ہدیٰ سے پھرا
اب جو تجھ سے پھرا محبِّ رسول
مذہب بد مذاق رازھر است
شہد صاف شما محبِّ رسول
رفض وتفضیل ونجدیت کاگلا
تیرے ہاتھوں سے کٹا محبِّ رسول
تونے ابنائے بدمذاقی کو
بے پدر کردیا محبِّ رسول[۳۶]

حضرت علّامہ شاہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے تفضیل شیخین سے متعلق کئی رسالے لکھے، جن میں
(۱) منتہی التفصیل لمبحث التفضیل
(۲) مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین (۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء)
(۳) الزلال الانقیٰ من بحر سبقۃ الاتقیٰ (۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء)
(۴) الکلام البہی فی تشبیہ الصدّیق بالنبی (۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء)
(۵) وجد المعشوق مجلوۃ اسماء صدیق والفاروق (۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء)
خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح مولانا بریلوی نے فضائل صحابہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے متعلق رسائل
(۶) ظلال السحابہ فی حلال الصحابہ
(۷) رفع العروش الخاویہ من ادب الامیر معاویہ، اور
(۸) الاحادیث لمناقب الصحابی معاویہ (۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) لکھے۔

صاحب "تذکرہ علمائے ہند" مولوی رحمان علی لکھتے ہیں: "جمادی الآخر ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء میں بریلی، بدایوں، سنبھل اور رام پور کے تفضیلی حضرات نے جن کے سرگروہ مولوی محمد حسن سنبھلی تھے بریلوی میں جمع ہوکر چاہا کہ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب[۳۷] سے مسئلۂ تفضیل پر مناظرہ کریں۔ صاحبِ ترجمہ نے علالتِ طبع اور منضج کے استعمال کے باوجود فوراً تیس سوال لکھ کر اس

جماعت کے سر گروہ (مولوی محمد حسن سنبھلی) کے پاس بھیج دیے۔ ان مذکورہ سوالوں کو دیکھتے ہی مناظرین کے سر گروہ دھوئیں کی گاڑی (ریل) پر سوار ہو کر فوراً اپنے وطن سنبھل کی طرف روانہ ہوگئے اور ان کے دوسرے معاونین نے خاموشی ہی میں سلامتی سمجھی۔ چنانچہ اس واقعے کی تفصیل کے متعلق رسالہ "فتح خیبر" (۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۲ء) طبع ہو چکا ہے۔ اس کے بعد مبحثِ مذکورہ (مسئلۂ تفضیل) کے متعلق صاحب ترجمہ (مولانا علاّمہ احمد رضا خاں بریلوی) کی جانب سے مناظرے کا اعلان عام طور سے طبع ہو کر شائع ہو تا رہا ہے۔ آج تک کہیں سے آواز نہ آئی۔"[۳۸]

مولوی محمد حسن سنبھلی محشی ہدایہ (ف ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۸ء) مذاق میاں بدایونی کے مرید و خلیفہ تھے۔ مولانا مفتی محمد ابراہیم فریدی سمستی پوری ثم بدایونی اپنے استاد مولانا عبدالعزیز خاں بریلوی (ف۱۳۶۹ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں: "مولوی محمد حسن سنبھلی کو تفضیلی عقیدے میں اس قدر غلو تھا کہ وہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی سے مباحثہ کرنے کے لیے بریلی آئے اور خواجہ قطب محلّہ میں شاہ نظام الدین صاحب ابن شاہ نیاز احمد بریلوی کے مہمان ہوئے۔"[۳۹]

مولانا بریلوی کے چھوٹے بھائی مولوی حسن رضا خاں (ف۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء) نے بھی فضیلت شیخین اور ردِ مفضلہ میں ایک رسالہ "رائحۃ العنبریہ من الجمرۃ الحیدریہ" الملقّب بہ "تزک مرتضوی" لکھا۔ چنانچہ وہ آغاز کتاب میں لکھتے ہیں: "اس زمانۂ شور و فتن و شر و محن میں مسئلۂ تفضیل بھی ایک عجیب مخمصہ خیز و تعجب انگیز مسئلہ ہو رہا ہے۔ راہ قدیم و صراط مستقیم اہلِ سنّت نصرہم اللہ تعالیٰ سے بہک کر ہر جاہل عامی پختہ کار حامی کو مسلک جدا ہے۔ حضرات تفضیلیہ کا تو ذکر ہی کیا ہے؛ وہ تو اپنی دھن میں جو فرمائیں ان کو سزا ہے۔"[۴۰]

اب ہم براہ راست حضرت شاہ ابوالحسین نوری میاں کی ان مساعی جمیلہ کا جائزہ لیتے ہیں جو انہوں نے شیعیت و تفضیلیت کے سلسلے میں کیں۔ حضرت میاں صاحب کی بہت سی تصنیفات ہیں: ان میں سے اکثر میں انہوں نے ان عقائد کا رد کیا ہے اور بعض کتابیں خاص اس موضوع پر لکھیں جن میں سے

(۱) دلیل الیقین من کلمات العارفین

(۲) عقیدہ اہلِ سنّت نسبت محاربین جمل و صفین و نہروان

(۳) رسالہ سوال وجواب خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

"دلیل الیقین" کے مقدمے میں میاں صاحب مارہروی لکھتے ہیں: "(مفضلہ) درمفاک ہلاک تفضیل افتادہ بتفضیل حضرت مولا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ چانہائے بیجا زندو فضل باہر و شرف ظاہر حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما را بہوائے نفس بر نوع دگر تاویل کند مگر نداند کہ تفضیل موثوق صدیق وفاروق بآیات کتاب واحادیث جناب رسالت مآب و اجماع اصحاب وتصریحاتِ جلیلہ حضرت علی ابی تراب وکلمات طیبۂ مرداں باریاب بساحت افتواب رب الارباب جل جلالہ وصلی اللہ علی النبی الاکرم وعلیہم اجمعین وبارک وسلم بنائے ست محکم واساسے مستحکم پس زیاں خلاف جز بمخالف ہر کہ زند چارۂ ایں حوادث وتنقیح مباحث از کلمات علماء گل می کند فقیر رادریں عجالہ کار بآناں افتادہ است کہ جہلا یا تجاہلاً حضرات صوفیہ صافیہ رادریں مسئلہ باخود ہم زباں واز تفضیل شیخین برکراں گویند وحاشاہم عن ذالک تصوف نیست جزدر اتباع قرآن وحدیث وانچہ رہ برخلافش نماید وسوسۂ باشد از تلبیس ابلیس خبیث اعاذاللہ منہ آخر نشیندۂ حضرت مولی المسلمین امام الواصلین کرم اللہ تعالیٰ وجہہ تفضیل شیخین راچقدر رنگ ایضاح دادہ ومنکر سنیش راکیفرانکار بکند نہادہ پس حضرات صوفیہ کہ جزبغلامیش دمے نزنند از یشاں وایں ہمہ سراز فرمائش تافتن یعنی چہ لہذا تبریت ساحت ایں اکابر وتجدید اظہار حق ظاہر راایں ورقے چند صرف از کلام ایں عظمائے ایں کرام گردمی آرام وبعد دمبارک حضرات خلفاء تبریک جستہ برچار فصل مقسوم وبنام تاریخی دلیل الیقین من کلمات العارفین موسوم می نماید۔"[۴۱] کتاب کے آخر میں مولانا محمد عادل کانپوری، مولانا عبدالحی فرنگی محلی اور مولوی عبداللہ الحسینی بلگرامی کی تقاریظ شامل ہیں۔

حضرت میاں صاحب نے "عقیدہ اہل سنت محاربین جمل وصفین ونہروان" نام کا رسالہ اُردو میں لکھا جو طبع نہیں ہوا مگر اس سلسلہ میں ان کے پیش نظر یہ قول رہا ہے کہ ونکف عن ذکر الصحابۃ الابخیر۔[۴۲]

"رسالہ سوال وجواب" کے متعلق مولوی غلام شبیر بدایونی اس کتاب ["مدائح حضورِ نور"] میں لکھتے ہیں "اُردو زبان میں مختصر مسئلہ تفضیل کا فیصلہ ہے اور حق یہ ہے کہ عجیب تحقیق سے مالا مال

ہے۔ آج تک باوجود کوشش اور اجتماع حضرات تفضیلیہ سے اس کا جواب نہ ہو سکا۔"

حضرت میاں صاحب نے اپنے وصایا اور ملفوظات میں بھی جابجا مفضلہ کا رد کیا ہے اور اہلِ سنّت کے عقائد بیان کیے ہیں۔ فرماتے ہیں: "فضل شیخین وحبت ختنیں مذہب امام اعظم است۔"[۴۳]

دوسری جگہ ارشاد ہے: "آنکہ می دانند کہ افضلیت برترتیب خلافت است غلط ست بلکہ خلافت برترتیب افضلیت ہے د ہمچنیں واقع شدہ یعنی ہر افضل برغیر خود درخلافت مقدم شد بدلیل آنکہ افضلیت ایشاں ہمیں ترتیب در عہد رسول اللہ ﷺ متحقق بود حالانکہ درآں زماں ہیچ یکے ازانیاں خلیفہ نبودند پس چوں بہ ترتیب معلوم بعد رسول اللہ ﷺ خلیفہ شدید بظہور پیوست کہ خلافت بہ ترتیب افضلیت واقع شدنہ آنکہ افضلیت بترتیبِ خلافت باشد۔"[۴۳]

فضیلت شیخین کے سلسلے میں معدن المعانی کے حوالے سے فرماتے ہیں: "فاضل ہمہ خلق مطلقاً محمد رسول اللہ ﷺ وبعد او افضل خلائق ہمہ انبیاء ورسل اند صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین وبعد انبیاء ورسل علیہم السلام افضل نبی آدم امت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام است وافضل امت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام صدیق اکبر است وبعدہٗ عمر خطاب وبعدہٗ عثمان بن عفان است وبعدہٗ علی مرتضیٰ ست رضی اللہ عنہم۔"[۴۴]

لعن یزید کے متعلق حضرت میاں صاحب فرماتے ہیں: "سکوت مذہب امام اعظم کوفی ومتبعان آں امام والا مقام است وہموں اسلم واحکم است۔۔۔ مادر فقہ مقلد حضرت امام والا مقام خودیم پس ایں جاچرا از تقلید جنابش قدم باز کشیم۔"[۴۵]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں فرماتے ہیں: "دریں زماں مردماں اہلِ سنّت وجماعت از محاورات رافضیاں وصحبت ایناں از حال امیر معاویہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سوئے ظن می دارند۔ ایں خود رفض جلی است لہٰذا مناسب افتاد کہ بندے از جانب امیر معاویہ بیان یخام واکتفابر قول حضرت نظام الدین اولیاء بدایونی ثم دہلوی قدس سرہٗ می کنم کہ برائے صوفیہ صافیہ سند کافی ووافی است۔ درفوائد الفواد۔ ملفوظ آنجناب مکتوب است بندہ عرضداشت کرد کہ اعتقاد در باب معاویہ چگونہ می باید۔ فرمود کہ او مسلمان بود از صحابہ بود وخسر بودہٗ رسول بود علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ او راخواہرے بود۔ ام حبیبہ گفتندے رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ اور حرم رسول بود۔ ﷺ"[۴۶]

ردّ رافض ومفضلہ کے ساتھ مناکحت کو منع کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "بامبتدعان وبدمذہبان قرابت نکنند چراکہ صحبت بدانیاں سراسر زیاں است وآئندہ در اولاد اثر خواہد کرد چنانچہ بارہابہ تجربہ آمدہ وعلاوہ ازیں دربسیار صورت ہادر صحت نکاح ہم سقم ونزاع می ماند د جاہاقطعاً نکاح مردود و باطل است۔۔۔ بلکہ باشیعہ محض تفضیلہ ہم مناکحت اولیٰ نیست کہ تفضیل در رفض است ورفض در کفر۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔"[۴۷]

مراسم وبدعات محرم کے سلسلے میں حضرت میاں صاحب فرماتے ہیں: "چنانکہ ہر سال رسم جہاں ہندوستان ست کہ دریں ایام دہ روز بعضے تاچہل روز ہر سال ترک زینت وتقریبات شادی می کنند۔ ممنوع باشد کہ بدعت شیعہ روافض است۔۔۔ نیز جائز ومباح ومحبوب نہ آنکہ جزع وفزع ونوحہ بتکلف وتصنع کنند وسینہ زنند درخ خراشند وحجامت وغسل وتبدیل پارچہ وپان وطعام ترک دہند وزناں چوڑیہا شکنند وسیاہ کبود وسبز وسفید پوشند۔ ایں ہمہ حرام وبدعت وممنوع است۔"[۴۸]

شبِ عاشورہ کے متعلق لکھتے ہیں: "درآں شب بابرکت بدعات شیعہ کنند ودر درستی نقلِ روضہ اسراف کردہ مخالفات فاحشہ بکار بریدہ بجائے ثواب درعذاب مبتلا شوند۔۔۔ تمام شب بجائے ذکر وعبادت بالہو ولعب ساختن ومزامیر ممنوعہ نواختن ونوحہ کردن وسینہ کوفتن وموئے کندن وردئے خستن وگریہ مصنوعی رارنگ بستن پیداست کہ چہ قدر باعث عتاب وعقاب وغضب رب الارباب وبیزاری روح امامِ عالی جناب خواہد شد العیاذ باللہ تعالیٰ۔"[۴۹]

بدعات محرم کے سلسلے میں اپنے جدِّ اعلیٰ (شاہ آلِ رسول مارہروی) کا قول نقل فرماتے ہیں: "بارہا از زبان فیض ترجمان حضرت جدّی ومرشدی قدس سرہٗ السرمدی شنیدہ بودم کہ درماہ محرم الحرام از ارتکاب بدعات شنیعہ تعزیہ داری ومرثیہ خوانی منع می کردند بلکہ (ارشاد شیخ خود حضرت اچھے میاں) می فرمودند۔۔۔ کہ ترتیب چنیں مجالس شعار روافض ستوودریں ماہ زیارت اہتمام گویا باب روافض راواساختن است۔۔۔ پس اہتمام ایں وعظ (شہادت) دریں دیارچنداں حاجت ندارد۔"[۵۰]

"العسل المصفّٰی" میں حضرت میاں صاحب لکھتے ہیں: "صحابہ تمام امت سے افضل ہیں اور صحابہ میں سب سے افضل اور اللہ تعالیٰ

کے نزدیک مرتبہ اور عزت میں سب سے زیادہ اور حضرت سے بہت نزدیک حضرت صدیق پھر فاروق پھر عثمان غنی پھر علی مرتضیٰ ہیں اور افضل کے یہی معنیٰ ہیں کہ اوروں سے مرتبہ بڑا اور خدا کے یہاں عزت و وجاہت و کرامت و ثواب میں زیادہ ہو۔ ہم سنّی ان باتوں میں حضرت صدیقِ اکبر کو انبیا و مرسلین کے بعد تمام جہان سے بڑھ کر مانتے ہیں۔"[۵۱]

شیعیّت و تفضیلیت سے براءت کے سلسلے میں حضرت میاں صاحب نے مندرجہ ذیل اعلان فرمایا۔ ان کا یہ بیان اسی کتاب [مدائح حضورِ نور] میں موجود ہے: "الحمدللّٰہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ سیدنا محمدوعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔ امّابعد: فقیر حقیر سیّد ابوالحسین احمد نوری الملقّب بہ میاں صاحب قادری نوری برکاتی بخدمت کافۂ انام اہل اسلام و خصوص مریدان خاندان و مریدان ذات خاص یہ خطاب کرتا ہے کہ عقیدہ اس فقیر کا اور اسلافِ فقیر کا اور اساتذۂ فقیر کا وہی ہے کہ جس کو حقیر بے سروپا "عسل مصطفّٰی" اور "دلیل الیقین" میں ظاہر کر چکا ہے۔ اب جو صاحب کہ خلاف اس کے ہوں ان سے فقیر بری ہے وما علینا الاالبلاغ۔ تحریر ۳/ ربیع الثانی ۱۳۰۳ھ من مقام گجرات۔"

غرضیکہ یہ ایک سرسری جائزہ ہے حضرت میاں صاحب کے عقایدِ حقّہ اور ان خدمات کا جو انہوں نے ردِّ شیعیّت و تفضیلیت میں انجام دیں۔ ان ہی خدمات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا احمد رضا خاں "قصیدۂ مشرقستانِ قدس" [۵۲] (در مدح میاں صاحب) میں لکھتے ہیں:

صادق رفض سوز کا پر تو
تجھ پہ سچّا ہے احمد نوری
شب بدعت سے کہتے ہو کافور
نور افزا ہے احمد نوری
رفض و تفضیل و ندوہ کا قاتل
سنّت آرا ہے احمد نوری
خلفائے ثلاثہ کا ہے غلام
جب تو مولیٰ ہے احمد نوری
بے تقیہ بنا کریں عیّار
مرگ شیعہ ہے احمد نوری
بے محاسن ہیں پیر چوٹی کے
مرد حق کا ہے احمد نوری
یاں نہیں کفر یہ چہر توحید
خاص بندہ ہے احمد نوری
کھوکے سدھ بدھ بنے سنیچر پیر
حق کا جمعہ ہے احمد نوری
بدمذاقوں کو تیرا شہد ہے تلخ
ان کو صفرا ہے احمد نوری
جلتے ہیں تیرے گرم چرچے سے
ان کو سودا ہے احمد نوری
اے عَلَم تعزیوں کے مجرے سے دور
تجھ کو مجرا ہے احمد نوری [۵۳]

ہم نے ان اوراق میں بدایوں و بریلی و مارہرہ کی ان کوششوں کا جائزہ لیا ہے کہ جو ردِّ شیعیّت و تفضیلیّت میں ہوئیں، لیکن ایک بات عرض کرنی ضروری ہے کہ یہ تردید دراصل تمام تر علمی اور کتابی تھی اس کا دائرہ عوام تک وسیع نہیں ہوا اور نہ اس سلسلے میں موثر تدابیر اختیار کی گئیں اس لیے کہ بدایوں اور بریلی نیز ان اضلاع کے قصبات تعزیہ داری اور مراسم محرم کے لیے مشہور تھے۔ بدایوں کی مہندیاں اور تعزیہ داری دیکھنے کے لیے دور دور سے لوگ آتے تھے۔ یہی حال بریلی کے سدو کے تحت تھا۔ شیعوں کی طرح سنّی بھی مجلسیں جماتے اور مرثیہ گوئی کرتے تھے۔ ان مقامات پر تعزیہ داری کی تمام تر رونق اور بھیڑ بھاڑ سنّی عوام سے ہوتی تھی اور یہی حال آج بھی کراچی اور دیگر بلاد و امصارِ پاکستان میں ہے۔[۵۴]

حواشی و حوالہ جات

۱۔ اعلیٰ حضرت مجدّدِ دین و ملّت مولانا شاہ احمد رضا خاں بن مولانا نقی علی خاں ۱۰/ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ کو شہر بریلی شریف محلہ جنوبی میں پیدا ہوئے۔ پیدائشی نام "محمد" اور تاریخی "المختار" ہے۔ آپ کے جدّ امجد مولانا رضا علی خاں نے آپ کا اسم شریف "احمد رضا" رکھا۔ خود اعلیٰ حضرت نے اپنی ولادت کا سنِ ہجری اس آیت سے نکالا ہے: أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَ

اَیَّدَهُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡهُ (یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیاہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی ہے۔)

نیز فرمایا کرتے تھے اگر میرے دل کے دو ٹکڑے کردیے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہو گا "لا الٰہ الا اللہ" اور دوسرے پر لکھا ہو گا "محمد رسول اللہ" اور آپ ابھی چار سال کے تھے کہ قرآن پاک ناظرہ ختم کرلیا۔ چھ سال کی عمر میں ربیع الاول کی تقریب میں منبر پر رونق افروز ہو کر بہت بڑے مجمع کی موجودگی میں میلاد شریف پڑھا۔ اردو فارسی پڑھنے کے بعد میزان منشعب وغیرہ کی تعلیم جناب مرزا غلام قادر بیگ علیہ الرحمۃ سے حاصل کی پھر تمام دینیات کی تعلیم اپنے والدِ ماجد امام المتکلمین نقی علی خاں رضی اللہ عنہ سے مکمل کی۔ تیرہ برس دس مہینے ہی کی عمر میں تفسیر، حدیث، کلام وفقہ، اصول، معانی، بیان، تاریخ، جغرافیہ، حساب، منطق اور فلسفہ وغیرہ جملہ علوم دینیہ وعقلیہ کی تکمیل کرکے ۱۴ر شعبان ۱۲۸۲ھ میں سند فراغت حاصل کی اور اسی دن مسئلۂ رضاعت کے متعلق فتویٰ لکھ کر اپنے والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا جو بالکل صحیح تھا والد ماجد نے ذہنِ نقادو طبع وقاد دیکھ کر اسی وقت سے فتویٰ نویسی کا کام آپ کے سپرد کر دیا اور آپ کے وہبی علوم کسبی علوم پر غالب تھے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں میں اپنی مسجد کے سامنے کھڑا تھا اور میری عمر ساڑھے تین سال کی ہوگئی، ایک صاحب عربی لباس پہنے ہوئے تشریف لائے؛ دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ عربی ہیں۔ انہوں نے مجھ سے عربی میں گفتگو کی، میں نے ان سے فصیح عربی میں گفتگو کی پھر بزرگ ہستی کو کبھی نہیں دیکھا۔ آٹھ برس کی عمر میں فنِ نحو کی مشہور کتاب "ہدایۃ النحو" پڑھی اور خداداد علم کے زور کا یہ عالم تھا کہ اس ننھی عمر میں ہدایۃ النحو کی شرح عربی زبان میں لکھ ڈالی؛ نیز کتاب کا صرف چوتھا حصّہ استاد سے پڑھتے تھے اور باقی خود سنادیتے تھے اور پچاس علوم میں کتابیں لکھیں اور بہت سے مردہ علوم کو مثلاً علم جفر، تکسیر، ہیئت اور نجوم کو زندہ کیا۔ ایک دفعہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین صاحب، جو علم ریاضی میں جرمن، انگلینڈ وغیرہ ممالک کی ڈگریاں اور تمغہ جات حاصل کیے ہوئے تھے، اعلیٰ حضرت کی بارگاہِ عالیہ میں حاضر ہوئے۔ اعلیٰ حضرت نے اپنا ایک قلمی رسالہ جس میں مثلث اور دوائر کے اشکال بنے ہوئے تھے ڈاکٹر صاحب کو دکھایا جس کو دیکھتے ہی ڈاکٹر صاحب حیرت واستعجاب میں ڈوب گئے اور بولے کہ میں نے اس علم کو حاصل کرنے کے لیے بارہا غیر ممالک کے سفر کیے مگر یہ باتیں کہیں بھی حاصل نہیں ہوئیں میں تو اس وقت اپنے آپ کو طفلِ مکتب سمجھ رہا ہوں مہربانی فرما کر یہ بتائیں کہ اس فن میں آپ کا استاد کون ہے؟ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میرا کوئی استاد نہیں ہے میں نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ سے جمع تفریق، ضرب تقسیم کے محض چار قاعدے صرف اس لیے سیکھ لیے تھے کہ ترکہ کے مسائل میں ان کی ضرورت پڑتی ہے شرح چغمینی شروع کی تھی کہ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ اس میں وقت کیوں صرف کرتے ہو۔ مصطفیٰ پیارے کی بارگاہ سے یہ علوم تم کو خود ہی سکھا دیے جائیں گے؛ چنانچہ یہ جو دیکھ رہے ہیں، میں مکان کی چار دیواری کے اندر بیٹھا خود ہی کرتا رہتا ہوں۔ یہ سب سرکارِ دوعالم ﷺ کا کرم ہے۔ اس کے بعد کسورِ اعشاریہ متوالیہ کا ذکر چل پڑا ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ صرف تیسری قوت کا سوال حل کیا جاسکتا ہے، اس پر اعلیٰ حضرت نے مولانا بدرالدین اور سیّد قناعت علی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ میں نے ان دونوں بچوں کو کچھ قاعدے سکھادیے ہیں آپ انہیں جس قوت کا سوال دیے دیں انشاء اللہ یہ بچے حل کردیں گے۔ ڈاکٹر صاحب محوِ حیرت ہو کر منہ تکنے لگے اور فنِ توقیت میں اعلیٰ حضرت کا یہ عالم تھا کہ سورج آج کب نکلے گا اور کب ڈوبے گا اس کو بلا تکلف معلوم کرلیتے اور سورج دیکھ کر گھڑی ملالیا کرتے تھے اور وقت بالکل صحیح ہوتا ایک منٹ کا بھی فرق نہ پڑتا تھا۔ اختصار کرتا ہوں تفصیل "سوانح اعلیٰ حضرت" میں دیکھیں۔

۲؎ سبعِ سنابل از میر عبدالواحد بلگرامی، مطبع نظامی کانپور ۱۳۰۰ھ، صفحہ نمبر ۷۔

۳؎ سبع سنابل، صفحہ نمبر ۱۷۔

۴؎ سبع سنابل، صفحہ نمبر ۱۷۔

۵؎ سبع سنابل، صفحہ نمبر ۱۸۔

۶؎ سبع سنابل، صفحہ نمبر ۱۹۔

۷؎ سبع سنابل، صفحہ نمبر ۲۱، ۲۲۔

۸؎ سبع سنابل، صفحہ نمبر ۲۵، ۲۶۔

۹؎ سبع سنابل، صفحہ نمبر ۳۰۔

۱۰؎ سبع سنابل، صفحہ نمبر ۳۱۔

۱۱؎ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں "فضائل صحابہ واہلبیت" کا مقدمہ از محمد ایوب قادری (پاک اکیڈمی، الہ آباد وحیدرآباد وکراچی نمبر ۱۸۔

۱۲؎ جمامیاں صاحب کا نام آل امام بن آل برکات ہے ۱۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے ۸ر رمضان ۱۲۴۸ھ کو فوت ہوئے دیکھیے خاندان برکات صفحہ ۲۴۔ ۲۵۔

۱۳؎ خاندانِ برکات از مولوی سید محمد میاں صفحہ ۸۱، ۸۲ (مطبوعہ حسنی پریس بریلی ۱۹۲۷۔

۱۴؎ دلدار علی مذاق ولد شیخ نثار علی ۱۲۳۵ھ ۱۸۱۹ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ شاعری میں ذوق دہلوی کے شاگرد تھے۔ ۱۳۱۲ھ میں انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو "آئینہ دلدار" از ابرار علی (کراچی ۱۹۵۶ء)۔

۱۵؎ آئینہ دلدار، صفحہ ۱۵۳، ۱۵۴۔

۱۶؎ یہ اشعار کلام دلدار علی مذاق مطبوعہ وکٹوریہ پریس بدایوں ۱۳۱۴ھ سے مقتبس ہیں۔ قوسین میں صفحاتِ حوالہ درج ہیں۔

۱۷؎ نازونیاز (حصّۂ اوّل) (حالات وملفوظات نیاز احمد بریلوی مرتبہ نصیر الزماں خاں، صفحہ ۶۹ (نظامی پریس بدایوں سال طباعت ندارد)۔

۱۸؎ نازونیاز، حصّۂ اوّل، صفحہ ۱۹، ۲۸، ۲۹، ۴۴، ۴۵ وغیرہ۔

۱۹؎ دیوان نیاز، صفحہ ۶۹ تا ۷۵ (مطبوعہ نامی لکھنؤ ۱۳۱۰ھ) میں ایک مناجات ہے جس میں بحق تمام عالم وعالمیاں دعامانگی گئی ہے باستثنائے خلفائے ثلاثہ وصحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

۲۰؎ سوانحات المتاخرین آنولہ از مولوی حکیم عبدالغفور آنولوی مرحوم، صفحہ ۳۳، ۳۴ (قلمی) مملوکہ محمد ایوب قادری۔

۲۱؎ اکمل التاریخ جلدِ اوّل، صفحہ ۲۱۸ از مولوی محمد یعقوب قادری بدایونی (مطبع قادری بدایوں ۱۹۱۵ء)۔

۲۲۔ تصحیح العقیدہ فی باب امیر المعاویہ، صفحہ ۲ (مطبع ماہتاب ہند، میرٹھ، ۱۸۷۶ء)۔
۲۳۔ مفاوضاتِ طیبہ (مکتوبات سید محمد اسمٰعیل حسن مارہروی) مرتبہ مولوی محمد میاں (خانقاہ برکاتیہ مارہرہ ۱۳۵۴ھ) صفحہ ۱۳، ۱۷۔
۲۴۔ مفاوضاتِ طیبہ (مکتوبات سید محمد اسمٰعیل حسن مارہروی) مرتبہ مولوی محمد میاں (خانقاہ برکاتیہ مارہرہ ۱۳۵۴ھ) صفحہ ۱۳، ۱۷۔
۲۵۔ بظاہر اس سے مراد شیعی مجتہد دلدار علی لکھنوی (ف ۱۲۳۵ھ) مراد ہیں، مگر اشارہ دلدار علی مذاق بدایونی کی طرف بھی ہے کہ اُن کے صدیقی النسب ہونے کے باوجود ان کو "سید" لکھا جاتا تھا اس لیے کہ ان کی والدہ کا خاندان سادات سے تھا۔
۲۶۔ تنبیہ ملحدین اشرار از حافظ غلام حسین، صفحہ ۱ (مطبع گلزار حسنی بمبئ، سال طبع ندارد)۔
۲۷۔ اصل مکتوب کے لیے دیکھیے تنبیہ ملحدین اشرر، صفحہ ۱۴، ۱۵۔
۲۸۔ ملاحظہ ہو تنبیہ ملحدین اشرار، صفحہ ۱۵، ۱۶۔
۲۹۔ تادیب المذاقیہ مرتبہ عبدالرحمٰن گلشن آبادی، صفحہ ا، مطبع گلزار حسینی بمبئ، ۱۳۰۴ھ۔
۳۰۔ تادیب ضالین از عبدالرحمٰن گلشن آبادی، صفحہ ۱–۲، مطبع گلزار حسنی بمبئ، ۱۳۰۸ھ۔
۳۱۔ ملفوظ مصابیح القلوب، حصّۂ اوّل از ظہیر السجاد صفحہ ۳۶ (انتظامی پریس کانپور، ۱۳۰۸ھ)۔
۳۲۔ "احسن الانتخاب" کا ایک رد مولوی انوارالحسن کاکوروی صاحب نے "فضل الخطاب" کے نام سے شائع کیا، جس کا جواب تکیہ کاکوروی کی طرف سے "رفع الحجاب" کے نام سے دیا گیا۔
۳۳۔ مولانا عبدالقادر بدایونی کے جدِّ امجد مولوی عبدالحمید بدایونی (ف ۱۲۶۳ھ) کے شاگرد مولانا سلامت اللہ کشفی بدایونی ثم کانپوری (ف ۱۲۸۱ھ) نے ردِّ شیعیّت میں تحفۃ الاحساب معرکۃ الآراء اور برق خاطف، اسی طرح ان کے مرید مولوی علی بخش صدر الصدور بدایونی (ف ۱۳۰۲ھ) نے "تنقیح المسائل" (رسالہ ردِّ رافض) لکھی۔ مولانا مفتی عبدالحفیظ آنولوی بریلوی مشہور بہ "مفتیِ آگرہ" (ف ۱۹۵۸ء) نے "سیتۃ الصحابہ عن خرافات بابا" (ردِّ بابا خلیل رس بنارسی) اور شریف احمد مراد مارہروی (ف ۱۹۴۴ء) نے "امیر معاویہ" اور مولوی مفتی احمد یار خاں نعیمی اوجھانوی بدایونی ولد ملا محمد یار خاں نے "امیر معاویہ پر ایک نظر" کتابیں لکھیں۔
۳۴۔ اکمل التاریخ، جلدِ دوم از مولوی محمد یعقوب ضیاء قادری بدایونی، صفحہ ۱۹۷، ۱۹۸ (مطبع قادری بدایونی ۱۹۱۵ء۔)
۳۵۔ حکیم عبدالقیوم بدایونی مرحوم کا یہ اندازِ فکر تھا، مگر ان کے فرزندِ اصغر مولوی عبدالحامد صاحب کا مسلک اس کے بالکل خلاف ہے۔ وہ کراچی میں یوم حسین کی تقریبات جمعیۃ العلماء پاکستان کی طرف سے شیعہ حضرات کی سرپرستی میں مناتے ہیں۔ اپنے مکان پر مشہور شیعی شاعر جوش ملیح آبادی کا نو تصنیف مرثیہ پڑھواتے ہیں ع انقلابات ہیں زمانے کے۔

۳۶۔ حدائقِ بخشش، حصّۂ سوم (مجموعہ نظم مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مرتبہ محبوب علی خاں، صفحہ ۴۰، ۴۱۔ کتب خانہ اہلِ سنّت جامع مسجد پٹیالہ (سال طباعت ندارد)۔
۳۷۔ اعلیٰ حضرت مجدّدِ ملّت امام اہلِ سنّت وجماعت "الحبُّ والبغض فی اللہ" کی زندہ تصویر تھے اور اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کے مطابق بددینوں، ملحدوں، مرتدوں اور کفار پر چٹان کوہ کی طرح سخت اور مسلمانوں کے لیے باعثِ رحمت تھے۔ جب کسی سُنّی عالم سے ملاقات ہوتی تو دل باغ باغ ہوجاتا۔ اس کی اتنی عزت کرتے جس کے لائق وہ اپنے آپ کو نہ سمجھتا جب حاجی حج بیت اللہ کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ان سے پہلے ہی پوچھتے کہ سیّدِ عالم ﷺ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں بھی حاضری دی ہے۔ اگر وہ ہاں کہتے تو فوراً ان کے قدم چوم لیتے اگر کہتے نہیں تو پھر ان کی جانب بالکل توجہ نہ فرماتے۔ کاشانۂ اقدس سے کوئی سائل خالی واپس نہ ہوتا، بیوگان کی امداد اور ضرورت مندوں کی حاجب روائی کے لیے آپ کی جانب سے ماہوار رقمیں مقرر تھیں اور یہ امداد صرف مقامی لوگوں کے لیے ہی نہ تھیں بلکہ باہر بذریعہ منی آرڈر امدادی رقمیں روانہ فرمایا کرتے مگر دشمنِ خدا تعالیٰ ورسولِ مقبول ﷺ کو اپنا دشمن سمجھتے اس سے کبھی نرمی نہ برتتے۔ ایک دفعہ حضرت ننھے میاں مولانا محمد رضا نے عصر کے بعد آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ حیدر آباد دکن سے ایک رافضی صرف آپ کی زیارت کے لیے آیا ہے اور ابھی حاضرِ خدمت ہوگا؛ تالیف قلب کے لیے اس سے بات چیت کر لیجیے گا۔ دورانِ گفتگو ہی میں وہ رافضی بھی آگیا حاضرینِ مجلس کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت اس کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوئے یہاں تک کہ ننھے میاں صاحب نے اس کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا وہ بیٹھ گیا۔ اعلیٰ حضرت کے گفتگو نہ فرمانے سے اس کو بھی کچھ بولنے کی جرأت نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر وہ چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ننھے میاں نے اعلیٰ حضرت کو سنا کر یہ کہا کہ وہ اتنی دور سے صرف ملاقات کے لیے آیا تھا اخلاقاً توجہ فرمالینے میں کیا حرج تھا؟ حضور اعلیٰ حضرت نے جلال میں آکر فرمایا میرے اکابر پیشواؤں نے مجھے یہی اخلاق بتائے ہیں۔ پھر اس پر متعدد احادیثِ مبارکہ بیان کیں۔ اسی طرح ایک بار حضرت صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ حضور کی کتابوں میں وہابیوں، دیوبندیوں اور غیر مقلدوں کے عقائدِ باطلہ کارد ایسے سخت الفاظ میں ہوا کرتا ہے کہ آج کل جو تہذیب کے مدعی ہیں وہ چند سطریں دیکھتے ہی حضور کی کتابوں کو پھینک دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کتابوں میں گالیاں بھری ہیں۔ اس طرح وہ حضور کے دلائل وبراہین کو بھی نہیں دیکھتے اور ہدایت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا اگر حضور نرمی اور خوش بیانی کے ساتھ وہابیوں دیوبندیوں کارد فرمائیں تو نئی روشنی کے دلدادہ جو اخلاق وتہذیب والے کہلاتے ہیں وہ بھی آپ کی کتابوں کے مطالعے سے مشرف ہوں اور حضور کے لاجواب دلائل دیکھ کر ہدایت پائیں۔ حضرت صدر الافاضل کی یہ بات سن کر آپ آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا مولانا تمنّا تو یہ تھی کہ احمد رضا کے ہاتھ میں تلوار ہوتی اور احمد رضا کے آقا ومولیٰ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی گردنیں ہوتیں اور اپنے ہاتھ سے ان گستاخوں کے سر قلم کرتا اور اس طرح گستاخی اور

توہین کا سدِّ باب کرتا، لیکن تلوار سے کام تو اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قلم عطا فرمایا ہے تو میں قلم سے ان بے دینوں کا شدت کے ساتھ اس لیے رد کرتا ہوں تاکہ حضورِ اقدس ﷺ کی شان میں بدزبانی کرنے والوں کو اپنے خلاف شدید رد دیکھ کو مجھ پر غصّہ آئے پھر جل بھن کر مجھے گالیاں دینے لگیں اور میرے آقا مولیٰ ﷺ کی شان میں گالیاں بکنا بھول جائیں۔ اس طرح میرے اور میرے آباو اجداد کی عزّت وآبرو حضور ﷺ کی عظمتِ جلیل کے لیے سپر بن جائیں۔ سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ حضرت کو مجسمۂ عشق بنادیا تھا۔ تفصیل سوانح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۸؎ تذکرہ علمائے ہند از مولوی رحمان علی (اردو ترجمہ محمد ایوب قادری) کراچی ۱۹۶۹۔

۳۹؎ مولانا محمد حسن سنبھلی از مولانا محمد ابراہیم سمستی پوری (العلم کراچی جنوری تا مارچ ۱۹۸۹ء)، صفحہ ۹۶، ۹۷۔

۴۰؎ تزک مرتضوی از مولوی حسن رضا خاں (میرٹھ ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء)، صفحہ ۲۔

۴۱؎ دلیل الیقین من کلمات العارفین از شاہ ابوالحسین مارہروی (مطبع نسیم سحر، بدایوں ۱۳۰۴ھ)، صفحہ ۲، ۳۔

۴۲؎ سراج العوارف فی الوصایا والمعارف از شاہ ابوالحسین نوری میاں، صفحہ ۲۸ (وکٹوریہ پریس بدایوں ۱۳۰۹ھ)۔

۴۳؎ سراج العوارف فی الوصایا والمعارف، صفحہ ۲۲، ایضاً، صفحہ ۲۴۔

۴۴؎ سراج العوارف فی الوصیا والمعارف، صفحہ ۲۹۔

۴۵؎ ایضاً، صفحہ ۲۷۔

۴۶؎ ایضاً، صفحہ ۲۹۔

۴۷؎ سراج العوارف فی الوصایا والمعارف، صفحہ ۱۰۷۔

۴۸؎ ایضاً، ۱۰۶۔

۴۹؎ ایضاً، صفحہ ۱۰۹۔

۵۰؎ سراج العوارف فی الوصایا والمعارف، صفحہ ۱۱۳۔

۵۱؎ العسل المصفّٰی فی عقائد ارباب سنۃ المصطفٰی بحوالہ ''تنبیہ ملحدین اشرار''، صفحہ ۶۔

۵۲؎ مولانا بریلوی کے اس قصیدۂ ''مشرقستانِ قدس'' پر مذاق میاں بدایونی کے مریدوں نے فنّی اور عروضی اعتراض کیے اور ایک رسالہ ''مرآۃ الغیب'' کے نام سے شائع کیا۔ مرآۃ الغیب کا جواب ''مشرقستان اقدس'' کے نام سے مولوی علی احمد خاں اسیر بدایونی (ف ۱۹۲۷ء) نے لکھا جو مولانا احمد رضا بریلوی کے شاگرد مولوی نواب سلطان احمد خاں بریلوی کے نام سے شائع ہوا۔

۵۳؎ حدائق بخشش، حصّۂ سوم (مجموعۂ نظم مولانا احمد رضا خاں بریلوی)، مرتبۂ محبوب علی خاں (مطبوعہ پٹیالہ)، صفحہ ۶۴، ۶۷۔

[۵۴؎] حضرت شاہ ابوالحسین میاں صاحب مارہروی کے یہ حالات ان کے مریدِ خاص مولوی غلام شبر بدایونی (ف ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۷ء) نے لکھے ہیں۔ مولوی غلام شبر کو اکابر و مشائخ مارہرہ سے اَبًا عَن جَدٍّ نسبت ارادت رہی ہے۔ انہوں نے نہایت عقیدت سے اپنے مرشد کے حالات دو حصوں میں ترتیب دیے اور اس کا نام ''نور مدائح حضور'' [''مدائح حضورِ نور''] رکھا۔ پہلے حصّے میں حضرت میاں صاحب کے بزرگوں کے حالات لکھے ہیں۔ یہ کتاب ۱۳۳۴ھ میں امیر الاقبال پریس بدایوں سے طبع وشائع ہوچکی ہے۔ دوسرا حصّہ حضرت نوری میاں صاحب کے حالات پر مشتمل ہے زبان قدیم اور پرانی ہے۔

اس دوسرے حصّے کا مسّودہ مصنّف مولوی غلام شبر بدایونی ۵۵؎ مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ ان کے پیر بھائی مولوی حافظ عبدالصمد قادری نوری بدایونی کے پاس تھا جو مصنف نے خود انہیں مرحمت فرمایا تھا۔ مولوی حافظ عبدالصمد بدایونی مرحوم قصبہ اوجھیانی ضلع بدایوں میں مسجد کچھلا ناکہ محلہ نجھیائی میں خطیب و پیش امام تھے۔ ان کے پاس ایک اچھا کتب خانہ تھا ان کا تمام وقت اصلاح و تبلیغ، درس و تدریس یا تسوید و تالیف میں گزرتا تھا۔ ۵۶؎ اس زمانے میں راقم الحروف محمد ایوب قادری حافظ صدیق مسٹن اسلامیہ کالج بدایوں میں انٹرمیجیٹ میں پڑھتا تھا اور اپنے پھوپا چودھری حاجی شمس الدین رئیس وزیں دار اوجھیانی (ف ۱۹۶۵ء) کے یہاں مقیم تھا۔ میں نے جب اس کتاب کو دیکھا تو حافظ صاحب سے درخواست کی کہ آپ اس کی نقل مرحمت فرمادیں۔ انہوں نے فوراً میری درخواست کو قبول فرمایا اور مہینے سوا مہینے میں اس کتاب کی نقل کر کے مجھے ۲۵/ مارچ ۱۹۴۹ء کو مرحمت فرمادی۔

یہ کتاب میرے پاس ۱۸/ سال سے محفوظ تھی گئی۔ مرتبہ اس کی اشاعت کا ارادہ کیا، جو پورا نہ ہوسکا۔ اب مخدومی مولانا محمد اسلم صاحب علوی مالک کتب خانہ سنّی دار الاشاعت علویہ رضویہ لائلپور اور محب گرامی قدر علاّمہ اقبال احمد فاروقی ایم۔اے کی تحریک ومعاونیت سے اس کی اشاعت کا انتظام ہوا۔ مکرمی فاروقی صاحب اور مخدومی علوی صاحب کے اصرار و حکم پر میں نے اس کی ترتیب وتحشیہ کے فرائض انجام دیے ہیں۔ اب یہی کتاب ''تذکرۂ نوری'' کے نام سے شائع کی جارہی ہے۔ شروع میں ایک مقدمہ لکھا ہے۔ آخر میں مخدومی مولوی عبدالمجید اقبال میاں بدایونی کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اس کتاب میں پیش لفظ لکھا اور اس کی اشاعت کی طرف متوجہ فرمایا۔

۵۵؎ مولوی غلام شبر کی ایک کتاب ''سکینہ فی الاخبار سلطان مدینہ'' امیر الاقبال پریس بدایوں سے چھپ چکی ہے۔ ان کو شعر وشاعری کا بھی ذوق تھا۔ حسرت تخلص تھا ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۷ء میں انتقال ہوا۔ اولاد پاکستان میں موجود ہے۔

۵۶؎ مولوی حافظ عبدالصمد بن مولوی مقصود حسین بن حاجی امیر علی بدایوں محلہ سرائے چودھری میں ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے۔ تمام تر تعلیم اپنے والد مولوی مقصود حسین سے پائی، حفظِ قرآنِ کریم کیا اوجھیانی میں بسلسلۂ خطابت وامامت مقیم رہے اور اس قصبہ میں بڑی حد تک تعلیمی ترقی حافظ صاحب ہی کی بدولت ہوئی۔ امامت کے ساتھ مدرسہ جاری رہتا۔ ناظرہ اور حفظِ قرآن کے ساتھ اردو اور دینی تعلیم کا بھی انتظام رکھتے تھے۔ ان کی تالیف کردہ مولود شریف کی دو کتابیں میرے کتب خانے میں موجود ہیں۔ رمضان ۱۲۴۱ھ / ۱۹۶۰ء میں اوجھیانی میں انتقال ہوا۔ غفر اللہ تعالیٰ۔ ان کے ایک صاحبزادے حافظ محمد احمد سلمہ اللہ تعالیٰ اوجھیانی میں موجود ہیں۔ غالباً ان کا مشغلہ بھی امامت اور درس وتدریس ہے۔

* * * * *

مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی اور برصغیر کی سیاسی تحریکات

ڈاکٹر محمد حسن امام

Abstract: Undoubtedly, coming in being of Pakistan was a great event. It was an astonishing revolution according to its effect & conclusions. Actually, Pakistan was neither made because of any need of time & expedience nor a support of any party (Person) or Power and result of conspiracy. But it was achievement of continuous mental and intellectual & practical efforts. Further it was a logical result of continuous events & situation after 1857. Then there is not only a single moment, so many moments and activities were behind this revolution. But this is the reality that religious, political, traditional, cultural, social, economical, psychological activities were also behind the aim of Pakistan was never only to divide Hind (Subcontinent).

(د) تحریکاتِ دینی اور سیاسی میں علامہ اقبال کا موقف

علامہ اقبال ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ کے ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اُنہوں نے ابتدائی تعلیم مشن اسکول سیالکوٹ سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے لاہور تشریف لے گئے، جہاں سے ۱۸۹۷ء میں بی اے اور ۱۸۹۹ء میں ایم اے فلسفہ کی اسناد حاصل کیں۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفے کے اُستاد مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۵ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان تشریف لے گئے جہاں سے پی ایچ ڈی اور بیرسٹری کی ڈگریاں حاصل کیں۔ قیامِ انگلستان کے دوران اُنہوں نے مغربی تہذیب و تمدّن اور وطن قومیت کا بغور مشاہدہ کیا جس نے آپ کی زندگی میں دورس اثرات مرتب کیے۔ ۱۹۰۸ء میں وطن واپس پہنچے پنجاب چیف کورٹ میں پریکٹس شروع کی، ساتھ ہی گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ پڑھانا شروع کیا آپ کی عملی کاوشوں کے اعتراف میں "سر" کا خطاب دیا گیا۔ آپ نے ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو وفات پائی اور بادشاہی مسجد کے زیرِ سایہ حضوری باغ میں سپردِ خاک ہوئے۔[۱]

اقبال اور تحریکِ پاکستان

اقبال کی سیاسی زندگی کا آغاز ۱۹۰۸ء میں ہوا جب وہ انگلستان سے واپس لوٹے۔ انگلستان سے واپسی پر آپ مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور آخری دم تک اپنی زندگی مسلم لیگ اور مسلمانوں کے لیے وقف کردی۔ علامہ اقبال نے ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ الٰہ آباد کے اجلاس کی صدارت کی اور اپنے صدارتی خطبے میں نظریۂ پاکستان پیش کیا۔[۲] علامہ اقبال پہلی عظیم شخصیت ہیں جنہوں نے ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے دو قومی نظریے کی وکالت اور وضاحت کرتے ہوئے ہندوستان کی قومی بنیادوں پر تقسیم کی تجویز پیش کی تھی۔ علامہ اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے دنیائے اسلام اور خاص طور پر برِّ عظم کے مسلمانوں کی جو خدمات انجام دی ہیں ان کی مثال دنیائے شعر و ادب کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ مطالعہ سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ علامہ اقبال اپنے آخری ایّام تک نہ صرف اپنے نظریے پر قائم رہے بلکہ دوسروں کو بھی اس کے لیے تیار کرتے رہے۔

علامہ اقبال اور قائداعظم کے درمیان مئی ۱۹۳۶ء سے مارچ ۱۹۳۸ء تک مسلم ہند کے مسائل پر خط و کتابت ہوئی۔ اس دوران علامہ اقبال نے ۲۰ مارچ ۱۹۳۷ء کو قائداعظم کے نام ایک خط میں لکھا "مسلمانانِ ہند ملک میں جُداگانہ سیاسی وجود رکھتے ہیں اور مسلمانانِ ہند اپنے ثقافتی وجود کو کسی طور پر نظر انداز نہیں کرسکتے۔" ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء کو علامہ اقبال نے ایک اور خط میں لکھا کہ "شریعتِ اسلام کا نفاذ اور ارتقائی ایک آزاد مسلم ریاست یا ریاستوں کے بغیر اس ملک میں ناممکن ہے۔"[۳] علامہ اقبال نے ۶ مارچ ۱۹۳۴ء کو علامہ راغب احسن کے نام ایک خط میں تحریر کیا کہ جہاں تک میری تجویز کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ انڈین وفاق کے اندر ایک مسلم صوبہ تخلیق کیا جائے۔[۴] ۲۱ جون ۱۹۳۷ء کو قائداعظم کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں "کانگریس کے صدر نے غیر مُبہم الفاظ میں مسلمانوں کے (جُداگانہ) سیاسی وجود ہی سے انکار کردیا ہے۔ ہندوؤں کی دوسری سیاسی جماعت یعنی مہاسبھانے جسے ہندو عوام کی حقیقی نمائندہ جماعت سمجھتا ہوں بارہا اعلان کیا ہے کہ ہندوستان میں ایک متحدہ ہندو مسلم قوم کا وجود ناممکن ہے ان حالات کے پیشِ نظر بس یہی حل یہ ہے کہ ہندوستان میں قیامِ امن کے لیے ملک کی از سرِ نو تقسیم کی جائے، جس

کی بنیاد نسلی، مذہبی اور لسانی اشتراک پر ہو۔ بہت سے برطانوی مدبرین بھی ایسا ہی محسوس کرتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ انگلستان سے روانگی سے قبل لارڈ لوتھیان نے مجھ سے کہا تھا کہ میری اسکیم میں ہندوستان کے مصائب کا واحد حل ممکن ہے۔"[۵]

اقبال اور تحریکِ خلافت

مسلمان اور ہندو، دو الگ الگ قومیں ہیں۔ یہ اعلان امام ربّانی مجدد الف ثانی قدس سرّہ نے اپنے دور میں پوری قوت سے کیا۔ ۱۹۲۰ء میں مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اتنی قوت سے بلند کیا کہ ہندو مسلم اتحاد کا پردہ چاک ہو گیا۔ یہی وہ دو قومی نظریہ تھا جو ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال کے خطبۂ الٰہ آباد کی بنیاد بنا اور جسے ۱۹۳۸ء میں قائداعظم نے قبول کیا۔ قائداعظم کی طرح علامہ اقبال بھی ابتدا میں تحریکِ خلافت کے حق میں نہیں تھے۔

قائد اعظم محمد علی جناح بھی اس تحریک اور اس کی ضمنی تحریکوں کو مسلمانوں کے لیے سخت نقصان دہ سمجھتے تھے، مگر ان دونوں حضرات کی کسی نے ایک نہ سنی۔ چنانچہ وہ اس آندھی کے دوران، میدانِ سیاست سے ہٹ آئے اور ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔ جن لوگوں نے میدان میں آکر خلافت، ہجرت اور ترکِ موالات جیسی نقصان دہ تحریکوں کی مخالفت کی اور ان کے حامیوں اور لیڈروں کا زور توڑا، اُن میں مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلفا اور عقیدت مند نمایاں تھے۔[۶]

اقبال مسئلۂ تحفظِ خلافت پر مسلمانوں کے ہندوؤں کے ساتھ مل کر عدم تعاون کی تحریک میں شرکت کے خلاف تھے۔ کیونکہ کسی قابل قبول ہندو مسلم معاہدے کے بغیر محض انگریز دشمنی کی بنا پر قومیت متحدہ کی تعمیر ممکن نہ تھی۔ علاوہ اس کے اُنہیں خدشہ تھا کہ کہیں ایسے اشتراک اور مسلمانوں کی سادہ لوحی سے فائدہ اُٹھا کر قومیت متحدہ کے داعی ان کی علیحدہ ملی حیثیت کو ختم نہ کر دیں جس کے سبب بعد میں اُنہیں پشیمان ہونا پڑے، اُنہی اختلافات کی بنا پر اقبال نے صوبائی خلافت کمیٹی سے استعفیٰ دے دیا۔[۷]

ابتدا میں اقبال بھی متحدہ قومیت کے قائل تھے، لیکن غور و فکر نے ان کی رائے تبدیل کر دی۔ ۱۴ نومبر ۱۹۲۳ء کو سیّد محمد سعید الدین جعفری کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں "ابتدا میں، میں بھی قومیت پر اعتقاد رکھتا تھا اور ہندوستان کی متحدہ قومیت کا خواب شاید سب سے پہلے میں نے دیکھا تھا، لیکن تجربہ اور خیالات کی وسعت نے میرے خیال میں تبدیلی پیدا کر دی اور اب قومیت میرے نزدیک محض ایک عارضی نظام ہے، جس کو ہم ایک ناگزیر سمجھ کر گوارا کرتے ہیں۔"[۸]

علامہ اقبال نے میثاقِ لکھنؤ کی بھرپور مخالفت کی۔ ان کا خیال تھا کہ اس معاہدے کے تحت ان صوبوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اقلیت ہی میں رہیں گے، لیکن جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں وہ بھی اقلیت میں تبدیل ہو جائیں گے اس لیے اُنہوں نے اس معاہدے کو مسلمانوں کے مفادات کے خلاف تصوّر کیا اور کہا کہ اس میثاق کی وجہ سے مسلمانوں کو برّصغیر میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے موقع سے محروم کر دیا گیا۔ ان حالات میں ہم کو علیٰحدہ طور پر ایک پولیٹکل پروگرام بنانے کی ضرورت ہے۔ دہلی تجاویز کے بعد آپ مسلم لیگ کے سیکریٹری جنرل مقرر کیے گئے۔ جہاں آپ نے مسلمانوں کو منظم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

۱۹۳۰ء میں الٰہ آباد کے مقام پر مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد کیا گیا۔ آپ نے خطبۂ صدارت میں مسلمانانِ ہند کے لیے علیحدہ مملکت کی ضرورت واضح کی اور بعد میں اسی رائے کو آگے بڑھایا جس کا پرچار مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آغاز ہی میں کیا تھا: "مسلمان اور ہندو ایک قوم ہرگز نہیں ہیں"۔ پھر اقبال نے دلیلوں سے یہ بات ثابت کی کہ مسلمان و ہندو الگ الگ قوم ہیں اور دونوں قومیں ایک ہی مملکت میں نہیں رہ سکتیں اُنہوں نے مسلمانوں پر واضح کیا کہ انگریزوں کی غلامی سے آزادی حاصل کر کے ہندوؤں کی غلامی میں نہ جائیں بلکہ انگریزوں اور ہندو دونوں کی غلامی سے آزادی حاصل کریں۔ علامہ اقبال نے خطبۂ الٰہ آباد میں قرار داد لاہور کی بنیاد رکھی اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔

علامہ اقبال کی سیاسی بصیرت اس حقیقت تک پہنچ چکی تھی کہ برّصغیر میں مسلمان اسی صورت میں اپنی منزل حاصل کر سکیں گے، جب قائداعظم جیسی شخصیت مسلمانوں کی رہنمائی کرے؛ ان دنوں قائداعظم لندن میں تھے۔ علامہ نے قائد کو وطن واپس آنے اور مسلمانوں کی راہنمائی کا فرض ادا کرنے پر آمادہ کیا۔ قائداعظم نے

بھی علامہ اقبال کی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔

مسلمانوں اسلام کا ہندوؤں کے ہاتھ بک جانا گوارا نہیں ہو سکتا۔ افسوس اہلِ خلافت اپنی اصلی راہ سے بہت دور جا پڑے، وہ ہمیں ایک ایسی قومیت کی راہ دکھا رہے ہیں جس کو کوئی مخلص ایک منٹ کے لیے بھی قبول نہیں کر سکتا۔ اسی لیے یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں کہ "تحریکِ ترکِ موالات میں بریلویوں کے علاوہ مسلمانوں کے تمام گروہ ان کے زعما، قائدین اور علما شامل تھے۔" اگر مسلمانوں کے تمام گروہ ترکِ موالات کے دور میں ہندو مسلم اتحاد کا شکار ہو گئے ہوتے تو پاکستان کی حمایت میں مسلمانوں کی غالب ترین اکثریت کبھی ووٹ نہ دیتی اور پاکستان بھی معروض وجود میں نہ آتا۔ یہ اَمر باعثِ حیرت ہے کہ ایک طبقہ پاکستان میں رہتے ہوئے بھی پاکستان کی بنیادوں کو محفوظ کرنے والوں کے خلاف زبان طعن دراز کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔

مذکورہ بالا تحریر و تحقیق سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ علامہ اقبال تحریکِ خلافت اور تحریکِ پاکستان کے حوالے سے اس نظریے کے حامی و مؤید تھے جس کے مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلفا تھے۔ ڈاکٹر محمد اقبال کے بارے میں یہ سن کر دکھ ہوتا کہ فتوے بازوں کے ایک گروہ نے ڈاکٹر صاحب سے متعلق اتنے کفر کے فتوے دیے کہ ان کی ایک کتاب تیار ہو سکتی ہے اور آج انہی تکفیر سازوں کے پیروکار ڈاکٹر اقبال کے نہ صرف اشعار اسٹیجوں اور محراب و منبر پر گا کر اور لہرا کر پڑھتے ہیں بلکہ ان کے عادات و کرامات بیان کرتے نہیں تھکتے۔ ضرورت ہے کہ علامہ اقبال کے موقف کو سامنے لایا جائے۔ تاکہ عوام اور خواص زیادہ سے زیادہ متعارف ہو سکیں اور مخالفین پاکستان نے ان کے خلاف جو غلط و بے بنیاد الزامات عائد کیے ہیں ان کا ازالہ ہو سکے۔ مسلمانوں کی فکری اور ذہنی اور اخلاقی تربیت کے ساتھ علامہ اقبال نے عملی سیاست میں بھی نمایاں کردار انجام دیا۔ وہ آخر تک مسلم لیگ کے حامی اور اس کے زبردست ستون رہے۔ یہ اقبال ہی کا دم خم تھا ۱۹۳۰ء کے بعد سے برابر مسلمانوں کی جداگانہ مملکت کے تصور کی اشاعت میں مصروف رہے۔ ۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۲ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن پہنچے تو وہاں بھی ان کی تبلیغ کی اور بہت سوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔

حوالہ جات

(۱) اقبال اور علمائے پاک و ہند، اعجاز الحق قدوسی، ص:۷۔

(۲) اقبال اور علمائے پاک و ہند، اعجاز الحق قدوسی، ص:۸۱۔

(۳) قائد اعظم خطوط کے آئینہ میں، خواجہ رضی حیدر، ص۲۹۶، ۱۹۸۵ء کراچی۔

(۴) قرار دادِ پاکستان تاریخ اور تجزیہ، خواجہ رضی حیدر، ص۱۴۰، ۱۹۹۰ء کراچی۔

(۵) قائدِ اعظم خطوط کے آئینہ میں، خواجہ رضی حیدر، کراچی، ص:۳۳۱۔

(۶) پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر، میاں عبد الرشید، لاہور، ص:۱۱۰۔

(۷) زندہ رود، جاوید اقبال، لاہور۔

(۸) زندہ رود، جاوید اقبال، لاہور۔

(۹) جہد آزادی، پروفیسر خلیل اللہ، صفحہ ۲۲۸، ۱۹۸۳ء کراچی۔

منقبت بحضور مسعودِ ملت ڈاکٹر محمد مسعود احمد

حامد علی علیمی (فاضل جامعہ علیمیہ وریسرچ اسکالر جامعہ کراچی)

گنج ہائے علم کا وہ راز داں رخصت ہوا
تشنگانِ علم کا وہ سائباں رخصت ہوا
نام ہے مسعود احمد، نقشبندی سلسلہ
عمر بھر تھا باکمال اور شادماں رخصت ہوا
جس کی صورت سے ملی تسکین روح و قلب کو
وہ حسین و غمزدا وہ مہرباں رخصت ہوا
جس نے زورِ علم و حکمت سے کیا دشمن کو زیر
مصطفیٰ کے دین کا وہ پاسباں رخصت ہوا
جس نے لکھا اور لکھوایا "مجدد کا جہاں"
وہ محقق اور میر کارواں رخصت ہوا
"ماہرِ احمد رضا" کا تاج جس کے سر سجا
وہ امام احمد رضا کا مدح خواں رخصت ہوا
رشک ہے حامد علیمی اُن کی رحلت پر مجھے
بہ خُدا مسعودِ ملت، کامراں رخصت ہوا

رضاہائر ایجو کیشن پروجیکٹ

اکبر علی (ریسرچ اسکالر، گلبر گہ یونیورسٹی، انڈیا)

رضاہائر ایجو کیشن پروجیکٹ کے تحت ہر ماہ رضویات کے کسی عنوان پر تحقیق کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ ادارے کی کوشش ہے کہ یہ خاکے متعلقہ علم و فن کے ماہرین پیش کریں تا کہ سے ان شعبوں میں کالج اور یونیورسٹی سطح پر تحقیق کی حوصلہ افزائی ہوسکے۔ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا ان تمام تحقیقات میں معاونت کے لیے تیار ہے۔ (عبید)

ملک العلماسید محمد ظفرالدین قادری: حیات، علمی و ادبی خدمات

ملک العلماء مولانا سید محمد ظفرالدین قادری ماضی قریب کے ایک بلند پایہ دانشور رہے ہیں، جنہوں نے اپنے نمایاں علمی وادبی کارناموں سے اُردو زبان کے ذریعے دنیائے علم و ادب کو مستفید کیا۔ انہوں نے ایک سو پچاس سے زائد کتابیں لکھی ہیں جو حقیقت کی مظاہری جہتوں کو بے نقاب کرتی ہیں۔ ان کی تصنیفات و تالیفات کو علم و ادب کی دنیا سے متعارف کرانا ضروری تھا۔ اِن کی کئی کتابیں شائع ہوئی ہیں اور بہت سی کتابیں اشاعت کی منتظر ہیں۔

ملک العلما کا تعلق مشہور شہید بزرگ حضرت مخدوم ابراہیم ملک بیاغازی بیاری سے ہے جن کا سلسلۂ نسب ساتویں پشت سے حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے۔ ملک العلما کی قومی و ملی خدمات بھی منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ ان کی علمی وادبی خدمات کا دائرہ وسیع ہے اور تابناک بھی، مگر افسوس کہ ان کی علمی خدمات پر مبنی تصانیف مکمل طور پر منظرِ عام پر نہ آسکیں۔ آپ کی جتنی کتابیں شائع ہوچکی ہیں اہلِ علم نے ان سے استفادہ کیا ہے اور کر رہے ہیں۔ یہ تاثر بھی عام ہے کہ ملک العلما کی تصانیف نہایت مفید اور کارآمد ہوتی ہیں۔

ملک العلما کی تصانیف میں دو طرح کی تصانیف ہیں: ایک درسی، دوسری غیر درسی ہیں جو وقت کے سلگتے مسائل اور ان کے مناسب حل پر مبنی ہیں۔ آپ کی تالیفات میں حدیث کی کتابیں بھی شامل ہیں، جن کی اہمیت و افادیت مسلم ہے۔ درس و تدریس سے وابستہ ہوتے ہوئے بھی آپ نے کئی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جس سے آپ کی ہمہ جہتی کا اندازہ ہوتا ہے وہ درس و تدریس میں یگانۂ روزگار تھے اور کیوں نہ ہو جب آپ کی حدیث دانی پر غور کیا جاتا ہے تو آپ عظیم محدث معلوم ہوتے ہیں، جب آپ کی فقاہت پر نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ فقیہ بھی تھے، جب آپ کی سیاسی بصیرت کو دیکھتے ہیں تو یہ احساس ہوتا ہے کہ آپ عظیم سیاست داں تھے۔ اسی طرح سے جب آپ کی ادبی کاوش کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ آپ تاحیات ادب کے باغ میں گل چینی کرتے رہے ہیں۔

راقم الحروف کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ "امام احمد رضا بریلوی پر ہونے والے سندی تحقیقی مقالات کا تنقیدی جائزہ" کے عنوان پر کام کیا جائے، لیکن چند احباب نے مشورہ دیا کہ دنیا بھر کی یونیورسٹیوں سے مقالات جمع کرنا بڑا مشکل ترین کام ہے اور امام احمد رضا بریلوی پر پچاس سے زیادہ پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالات لکھے جاچکے ہیں۔ امام احمد رضا کے تلامذہ پر یونیورسٹی سطح پر باضابطہ تحقیقی کام نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا آپ کے تلامذہ میں سے کسی ایک شخصیت پر کام کیا جائے تو بہتر ہوگا؛ لہٰذا ایم۔اے کی تکمیل کے بعد جب پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے کا موقع ملا تو میں نے ملک العلما مولانا سید محمد ظفرالدین قادری جیسی علمی وادبی شخصیت کے خدوخال دنیائے علم و ادب کے سامنے پیش کرنے کے لئے ان کی حیات اور علمی و ادبی خدمات پر تحقیقی کام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو میرے محترم ریسرچ گائیڈ ڈاکٹر محمد عبدالحمید اکبر (پروفیسر، شعبہ اُردو و فارسی، گلبر گہ یونیورسٹی، انڈیا) نے حوصلہ افزائی فرمائی اور میرا تحقیقی مقالہ تکمیل کے مرحلے میں ہے لہٰذا ان امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے اس مقالے کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ ملک العلما سید محمد ظفرالدین قادری: نقوشِ حیات
۲۔ نقوشِ تعلیم و تربیت: اساتذہ و معاصرین
۳۔ نقوشِ درس و افادہ: تدریسی و افادی خدمات
۴۔ نقوشِ فکر: قومی و ملی خدمات
۵۔ نقوشِ قلم: علمی و ادبی خدمات

حاصلِ مطالعہ
کتابیات

بابِ اول

نقوشِ حیات: ملک العلماسید محمد ظفرالدین قادری کی حیاتِ مبارکہ

ملک العلماسید محمد ظفرالدین قادری نسبی طور پر سید ہیں آپ کا سلسلۂ نسب ۲۹ ویں پشت میں سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتا ہے۔ اس باب میں ملک العلما کی حیات کا ایک جامع مرقع پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے، جو اپنے ذیلی عناوین پر مشتمل ہے۔

بابِ دوم

نقوشِ تعلیم وتربیت: اساتذہ ومعاصرین علما

اس باب میں مولانا کے اساتذہ اور مربیوں کی حیات و حالات اور ان کی دینی و ملی خدمات کو پیش کیا گیا ہے۔ ان کے اساتذہ میں امام احمد رضا بریلوی، محدث سورتی وغیر قابل ذکر ہیں۔ اس باب میں آپ کے اساتذہ اور معاصرین علما کا جائزہ لیا گیا ہے۔

بابِ سوم

نقوشِ درس وافادہ: تدریسی وافادی خدمات

ملک العلما یگانۂ روز گار تھے، ذی صلاحیت اور علم سے پر تھے۔ ان کی عملی زندگی، تدریس، طریقۂ تدریس اور تربیت وافادہ کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان کے ممتاز تلامذہ پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ملک العلما کے تلامذہ کی فہرست بڑی طویل ہے۔ ان کے مشہور تلامذہ جو اپنی صحافتی، اصلاحی و تہذیبی خدمات سے مشہور ہوئے ان میں علامہ ضیا جالوی، علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی وغیرہ شامل ہیں۔

بابِ چہارم

نقوشِ فکر: قومی وملی خدمات

اس باب میں ملک العلما کی قومی و ملی اور سماجی خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ملک العلما نے دردمند دل پایا تھا، دوسروں کی ذاتی تکلیف نہ دیکھی جاتی تھی۔ احباب و متعلقین کی ہر ممکن دستگیری اور غم گساری کرتے، قومی اور ملی خدمات میں پیش پیش رہتے تھے اور جب بھی ضرورت ہوتی اپنی قوم و ملت کی محبت اور ہمدردی میں تقریر بھی کرتے اور قلم بھی چلاتے تھے۔ لہٰذا انہی خدمات کا احاطہ اس باب میں کیا گیا ہے۔

بابِ پنجم

نقوشِ قلم: علمی وادبی خدمات

یہ باب اس تحقیقی مقالے کا حاصل ہے جس میں ملک العلما کی مختلف النوع علمی، فنی، ادبی نگارشات کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ پیش کیا گیا ہے مولانا کی علمی وادبی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ لہٰذا ان کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف کا مطالعہ کیا گیا ہے، جن میں حیات اعلیٰ حضرت، اسلامی نظریۂ موت، سدالفرار، دلچسپ مکالمہ، تنویر سراج فی ذکر معراج، فتوائے ملک العلما، میلادِ رضوی، صحیح البہاری وغیرہ شامل ہیں۔

ماحصل

ماحصل کے تحت تمام ابواب کا حاصلِ مطالعہ پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

کتابیات

اس مقالے کی تیاری میں جن بنیادی اور معاون کتب ورسائل وجرائد سے استفادہ کیا گیا ہے انہیں حروف تہجی کے لحاظ سے شاملِ فہرست کیا گیا ہے:

ماخذومراجع

۱۔ احوال غالب، پروفیسر مختار الدین احمد۔
۲۔ امام احمد رضا اور عشق مصطفےٰ، ڈاکٹر غلام مصطفےٰ نجم القادری۔
۳۔ امام احمد رضا۔۔۔ ایک نئی تشکیل، ڈاکٹر غلام جابر شمش مصباحی۔
۴۔ پرکھ اور پہچان، گیان چند جین۔
۵۔ تحقیق کا فن، گیان چند جین۔
۶۔ تذکرہ خلفاءِ اعلیٰ حضرت، پروفیسر مجید اللہ قادری و محمد صادق قصوری، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، ۱۹۹۲ء
۷۔ تنویر المصباح، ملک العلماسید محمد ظفرالدین قادری۔
۸۔ تنویر السراج فی ذکر لمعراج، ملک العلماسید محمد ظفرالدین قادری۔
۹۔ جواہر البیان فی ترجمۃ خیرات الحسان، ملک العلما محمد ظفر الدین
۱۰۔ جہان ملک االعلما، ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی۔
۱۱۔ حیات اعلیٰ حضرت، ملک العلماسید محمد ظفرالدین قادری۔
۱۲۔ حیاتِ حضرت امام ابو حنیفہ، پروفیسر غلام احمد حریری۔
۱۳۔ دلچسپ مکالمہ، ملک العلماسید محمد ظفرالدین قادری۔
۱۴۔ سدالفرار، ملک العلماسید محمد ظفرالدین قادری۔
۱۵۔ قلق میرٹھی حیات اور کارنامے، ڈاکٹر جلال انجم۔
۱۶۔ مجدد الف ثانی (حالات، افکار وخدمات)، پروفیسر مسعود احمد۔
۱۷۔ مشرق اور سمت قبلہ، ملک العلماسید محمد ظفرالدین قادری۔
۱۸۔ مکاتیبِ مفتی اعظم ہند بنام ملک العلما، پروفیسر مختار الدین احمد۔
۱۹۔ مولانا انوار اللہ فاروقی حیات وکارنامے، ڈاکٹر عبدالحمید اکبر۔
۲۰۔ نذر مختار، مالک رام۔

سیّد محفوظ علی صآبر القادری بریلوی

سیّد محمد عبد اللہ قادری (واہ کینٹ، پاکستان)

حضرت سیّد محفوظ علی صآبر القادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بریلی شریف (یوپی) کے رہنے والے تھے۔ خانوادۂ سادات کے چشم وچراغ تھے، ۱۹۲۱ء/ ۱۹۲۲ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ تحریکِ پاکستان کے زمانے میں بریلی شریف کو چھوڑ کر پاکستان آگئے۔ پی او ایف واہ کینٹ میں ملازمت شروع کر دی، اسٹور افسر تھے۔ شروع ہی سے شعر و سخن سے دل چسپی تھی۔ غزل، نعت، تضمین، لکھی اور تاریخ گوئی میں خاص سکہ رکھتے تھے۔ اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں بریلوی قادری علیہ الرحمۃ (م ۱۹۲۱ء) کے مشہورِ زمانہ سلام ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام''، خمسہ بر قصیدہ معراجیہ از اعلیٰ حضرت، خمسہ بر قصیدۂ معراجیہ از حضرت اکبر وارثی میرٹھی کی تصنیف لکھی، مثلث بر غزل مولانا مولوی حسن رضا خاں حسؔن بریلوی لکھی۔ سلام بہار گاہ رفعت پناہ حبیبِ خدا احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا صلی اللہ علیہ وسلم بہ ترتیب ردیف بدوتاسہ وچہار قوافی، لکھا۔ سید محفوظ علی صابر القادری علیہ الرحمۃ، ۱۹۸۱، ۱۹۸۲ء میں پی او ایف سے ریٹائرڈ ہوئے۔ ۱۱ مئی ۱۹۸۵ء کو داغِ مفارقت دے گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

علامہ سیّد رحیم اللہ قآبل تحریر فرماتے ہیں: ''ادب و شعر کے ذوق میں وہ سراپا عشقِ رسول میں غرق اور نعتِ نبی کہنے میں برق ہیں۔ میرے اس بیان کی تصدیق ''ارمغانِ حق'' کے قارئین کو کتاب کا مطالعہ کرکے ہو جائے گی، جس میں شاعرِ موصوف کے جذبات کا بحرِ ناپیدا کنار موجیں مارتا نظر آتا ہے۔'' حضرت صابر القادری کو فکرِ تاریخ سے بھی شغف ہے، جس کا جلوہ اُن کی کہی ہوئی نعتوں، سلاموں، مرثیوں اور دیگر نظموں میں نظر آجاتا ہے۔ میں نے اپنی علالت اور نقاہت کی وجہ سے ''ارمغانِ حق'' کا سرسری مطالعہ کیا ہے، لیکن پہلی ہی نظر میں حضرت صآبر کے کلام، نعت و سلام میں مختلف صنائع و بدائع کا بحرِ ذخار دیکھا تو مجھے یہ کہنا ہی پڑا

زفرق تا بقدم، ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است

سربراہ و تاجدار نعت گوئی امام اہلِ سنّت حضرت مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب رضا قدس سرہ نے ۱۷۱/ ابیات پر مشتمل جو قصیدۂ سلامیہ ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' تصنیف فرمایا ہے اس پر حضرت صابر القادری کی دلکش تضمین پوری طرح موصوف کے جذبات اور عشقِ رسول کی آئینہ دار ہے؛ اسی طرح امام اہلِ سنّت مجدد مائۃ حاضرہ کے معرکتہ الآرا قصیدہ معراجیہ:

''وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے''

اور جناب اکبر وارثی میرٹھی کے مشہور قصیدۂ معراجیہ:

''دونوں عالم ہیں نورٌ علیٰ نورٌ کیوں، کیسی رونق فزا آج کی رات ہے''

کی تضمینیں حضرت صآبر کی فکرِ سخن کا شاہکار اور عقیدتِ رسول کی آئینہ دار قرار دی جاسکتی ہیں اور اس لحاظ سے بے مثال و یگانہ روزگار بھی ہیں کہ میری معلومات میں آج تک کسی قدیم و جدید شاعر نے یہ تضمینیں پیش نہیں کیں۔ متذکرہ بالا شاہکاروں کے علاوہ جناب صآبر نے حروفِ تہجی وار ابیات کی پابندی سے مخصوص قوافی کے تحت جو متعدد نعتیہ سلام پیش کیے ہیں وہ بھی میری نظر میں بے نظیر اور ارتقائے فکر کی تصویر ہیں۔'' (ارمغانِ حق، ص ۳-۴)

''ارمغانِ حق''، کی تقریظ، حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ قریشی ایم اے الازہری مصنف ضیاء القرآن، مستِ خیر الانام، مدیرِ اعلیٰ و بانی ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، نے تحریر کی تھی ۲۵ مئی ۱۹۸۰ء کو: ''جامع رضویہ انوار العلوم ۱۲۴ یچ واہ کینٹ کے جلسۂ دستارِ فضیلت میں شرکت کے لیے واہ کینٹ پہنچنے کا اتفاق ہوا۔ پس ایک ایسی ہستی سے ملاقات کا شرف نصیب ہوا جو متعدد پہلوؤں سے ہم اہلِ سنّت کے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہے یعنی سیادت پناہ محفوظ علی صابر صاحب القادری بریلوی مدظلہ آپ بریلی شریف کے رہنے والے ہیں خانوادۂ سادات کے چشم و چراغ ہیں اور اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ کی خدمت میں ان کے بچپن اور جوانی کا زمانہ گزرا ہے ان کے چہرے پر نجابت اور شرافت کے آثار ان کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

اثنائے گفتگو انہوں نے اپنے عہدِ رفتہ کے کئی واقعات سنا کر ایمان کو تازہ کیا۔ دورانِ گفتگو معلوم ہوا کہ آپ نے ایک نعتیہ دیوان "ارمغان حق" مرتب فرمایا ہے اور اس کے علاوہ اور بھی نعتیہ دواوین زیرِ کتابت وزیرِ طبع ہیں، خود بخود اس کے مطالعے کا شوق پیدا ہوا۔

میں (محمد کرم شاہ) یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ پیر سادہ جو تکلفات سے کوسوں دور ہے شاعری میں اتنے اعلیٰ و ارفع منصب پر فائز ہے اور یہاں بزمِ نعت کا صدر ہے۔ آپ کی قادر الکلامی، ندرت بیانی، تخیل کی بلندی اور اس کے اظہار میں بانکپن اپنے قاری کو مسحور کر دیتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ مکرم ﷺ کے عشق کو جو دولتِ سرمدی انھیں ارزانی فرمائی ہے اس نے آپ کے کلام کو معنویت اور مقصدیت سے معمور کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس برگزیدہ ہستی کے اس جذبۂ عشق کو سلامت رکھے تاکہ اس کی ضیاباریاں تاریک دلوں کو منور کرتی رہیں اور دلوں میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی قندیلیں روشن کرتی رہیں آپ کا مجموعۂ نعت اہلِ نظر، اہلِ علم اور اہلِ محبت سب کے لیے ایک گراں بہا خزینہ ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔

خاکِ راہ صاحبدلاں، محمد کرم شاہ، ۲۵ مئی ۱۹۸۰ء۔ (ارمغانِ حق، ص ۱)

ارمغانِ حق کی کتابت ۱۹۷۹ء میں ہوئی۔ کاتب گرامی قدر مولانا محمد افضل منیر ولد حضرت فضل علی ساکن وڑانچاں عقیل پھالیہ ضلع گجرات (حال تحصیل ملک وال ضلع منڈی بہاء الدین) تھے۔ محمد افضل منیر صاحب ان دنوں واہ کینٹ میں ہی مقیم تھے۔ جامع رضویہ انوارالعلوم ۲۴/ایچ۔ بستی واہ کینٹ میں صدر مدرس تھے۔ ۱۹۸۲ء میں افواجِ پاکستان میں خطیب بھرتی ہوگئے۔ حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری بھیروی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ اتفاق سے محمد افضل منیر صاحب میرے عزیز محترم ومکرم حضرت سیّد اجمل حسین شاہ گیلانی ویرووال سرگودہا کے کلاس فیلو تھے دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف میں۔ محمد افضل منیر صاحب سے میری یوں بھی شناسائی ہے۔ اسکے علاوہ اُن کا اور میرا (سید محمد عبداللہ قادری بن سید نور محمد قادری) ضلع بھی ایک ہے میرا چک ۱۵/ شمالی تحصیل وضلع منڈی بہاءالدین میں ہے۔

۲۵/ جنوری ۲۰۱۰ء کی شام کو میں محترم المقام محمد یٰسین نقشبندی صاحب کو ملنے گیا تو انہوں نے سید محفوظ علی صابر القادری کے متعلق بتایا: "میں (محمد یٰسین نقشبندی) سیّد صاحب علیہ الرحمۃ کو ۱۹۷۳ء سے جانتا ہوں وہ P.O.F میں اسٹور آفیسر تھے۔ اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں بریلوی قادری قدس سرہ العزیز کے داعی تھے۔ دفتر میں بھی اعلیٰ حضرت کا سلام: "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" گنگناتے رہتے تھے۔ آپ واہ کینٹ کی سیرت کمیٹی کے مشاعروں میں شامل ہوتے تھے۔ بہت شفیق ورحم دل اور سخی تھے۔ سفید ولال رنگت تھی قد دراز تھا، کالی ٹوپی استعمال کرتے تھے۔

جس زمانے میں "ارمغانِ حق"، کی کتابت حضرت استاذی مولانا محمد افضل منیر صاحب فرماتے تھے اور میں تصحیح کرتا تھا اور انہی دنوں میں حضرت منیر صاحب سے پرائیوٹ ادیب عربی پڑھتا تھا، محمد یٰسین نقشبندی صاحب نے ۱۹۸۳ء میں مجلسِ رضا واہ کینٹ قائم کی تو کنزالایمان کو پہلی مرتبہ پاروں کی شکل میں شائع کرنا شروع کیا تو پارہ نمبر۱ تا پارہ نمبر۸ کی کتابت محمد افضل منیر صاحب نے کی۔ اس کے علاوہ کتاب الصلوٰۃ مافی المسائل از محمد یٰسین نقشبندی، دو عظیم مقالے از پیر محمد کرم شاہ الازہری کی کتابت بھی کی۔

غالباً ۱۹۸۱ء یا ۱۹۸۲ء میں جنرل محمد ضیاء الحق نے پاکستان میں سرکاری طور پر میلاد شریف منانے کو کہا تو P.O.F واہ کینٹ کے اندر نئی نئی مساجد تعمیر کرنے اور سرکاری طور پر میلاد شریف کے جلوس نکالنے کا آرڈر ہوا۔ تو محکمہ اسٹور کے S.U.P.D.T نے ظفر اقبال A.M کو دستہ میلاد شریف مین اسٹور کا صدر بنایا، تو حضرت سیّد محفوظ صابر القادری علیہ الرحمۃ میلاد شریف کی محفلوں اور میلاد شریف کے جلوس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ میں نے سیّد صاحب کو ان کی وفات ۱۹۸۵ء تک بھرپور انداز میں دیکھا ہے۔"

محمد یٰسین نقشبندی P.O.F میں ملازم تھے۔ انہوں نے ایل ایل بی کراچی سے کیا؛ ہائی کورٹ کے ایڈووکیٹ ہیں۔ آپ ادیب عربی، عالم عربی، فاضل عربی، ایم اے عربی، اسلامیات، اردو میں B-314/6، نیوافیسر کالونی لالہ رخ واہ کینٹ میں مقیم ہیں۔ اُن کا دفتر گھر پر ہی ہے۔

"ارمغان حق" کا انتساب سیّد صاحب نے اپنے استادِ گرامی حضرت حکیم سید اطہر حسین اطہر لکھنوی (مرحوم) شاگردِ خاص حضرت صفی لکھنوی کے نام کیا تھا۔

"بخشش رب" سیّد محفوظ علی صابر القادری بریلوی کا نعتیہ مجموعہ ہے، ۱۷۹ر صفحات پر مشتمل ہے؛ سنِ اشاعت ۱۹۸۷ء ناشر محمد مشتاق صدیقی کاتب مولانا محمد افضل منیر اور منظور حسین صابر۔

"بخشش رب"، سیّد محفوظ علی صابر القادری کی رحلت (۱۱ر مئی ۱۹۸۵ء) کے بعد شائع ہوئی ہے۔ ناشر نے انتساب یوں کیا ہے:

"صابر مرحوم کے گل ہائے عقیدت الموسومہ "بخشش رب" کو شفیعِ روزِ جزا محبوبِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نامِ نامی اسمِ گرامی سے اس امید پر منسوب کیا جارہا ہے کہ مخبر موجودات سرورِ کائنات کی نگاہِ کرم اس ناچیز ہدیہ کو شرفِ قبولیت بخشے اور مرحوم کی یہ کاوش ذریعۂ نجات بنے۔ آمین ثم آمین۔ (بخشش رب، ۳)

"بخشش رب" کے مصنف، سیّد محفوظ علی صابر القادری کی رحلت (۱۹۸۵ء) کے بعد، بخشش رب، بھی کباڑیوں تک پہنچ گئی۔ بقول، حضرت انوار احمد انوار عثمانی علیہ الرحمۃ، آپ نے یہ کتاب لکھی تھی، صابر القادری، اولادِ نرینہ سے محروم تھے۔ ۱۹۹۴ء میں میں نے واہ کینٹ کے جمعہ بازار سے "بخشش رب" کے کئی نسخے خریدے ہر جمعہ کو چند نسخے خرید تا تھا فی نسخہ ۲۰ روپے۔ اہلِ علم کی نذر کر دیتا۔

"بخشش رب"، کا تعارف نامور محقق و نقاد حضرت علامہ شمس الحسن شمس بریلوی نے تحریر فرمایا جو سیّد محفوظ علی صابر القادری کے دوست تھے۔ تعارف ص ۵ تا ۱۳ پر محیط ہے۔ سخن ہائے گفتنی حضرت انوار عثمانی نے تحریر کیے۔ چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

"واہ کی رنگارنگ شاداب وادی کے گوشۂ نعت سے منسلک اصحاب میں صمیم خیر آبادی، ڈاکٹر احسان نجیب آبادی، جمیل ہمدانی اور عاجز انصاری صابر مرحوم کے شاگردوں میں خاص مقام رکھتے تھے۔ مرحوم (صابر القادری) کی وفات کے چند دنوں بعد ان کے کلامِ نعتیہ کو شائع کرنے کی بات ہوئی تو دوستوں اور عزیزوں نے باہم مشورے سے طے کیا کہ راقم الحروف (انوار عثمانی) گرامی قدر علامہ شمس بریلوی سے رابطہ کرے اور دیوان کا تعارف لکھوائے تاکہ مرحوم کی آرزو کے مطابق دیوان شائع کیا جائے۔

"اگر جناب سیّد اسمعیل رضا ترمذی صاحب سرپرست بزم فروغِ ادب، ہری پور اعانت نہ فرماتے تو حصولِ تعارف جوئے شیر لانے کے مترادف ہوجاتا۔ قارئین کی اطلاع کے لیے یہ عرض کردینا بھی برمحل ہوگا کہ صابر صاحب کی زندگی میں ہی "بخشش رب" کی کتابت ۱۹۸۴ء میں مکمل ہوچکی تھی؛ تاریخ ہائے تدوین بھی یک جا موجود تھیں، مگر چند نامساعد حالات کے باعث اشاعت نہ ہوسکی اور اب ۱۹۸۶ء میں اس کو من وعن شائع کیا جارہا ہے۔ (بخشش رب، ص ۱۵،۱۴)

حضرت شمس الحسن شمس بریلوی، سیّد محفوظ علی صابر القادری کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: "اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں قدس سرہ کے عرسِ مبارک کے موقع پر ۲۲ صفر کی شب راقم الحروف کے زیرِ اہتمام ایک شان دار نعتیہ مشاعرہ ہوتا تھا، جس میں روہیل کھنڈ کے نامی نعت نگار شعرا برائے ذوق شوق سے شرکت فرماتے اور تمام شب یہ نغمات سرمدی فضاؤں میں گونجتے رہتے تھے۔ اس نعتیہ مشاعرے نے شعراءِ بریلی میں نعت نگاری کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ اب بدایوں اور بریلی میں ماہانہ نعتیہ مشاعرے ہونے لگے۔ یہ بندہ ناچیز (شمس بریلوی) بھی ان پاکیزہ محفلوں (نعتیہ شاعروں) میں شریک ہوا کرتا تھا اور بریلی کے متعدد شعرائے کرام اپنے نعتیہ کلام سے سعادتِ دارین سے اپنی خالی جھولیاں بھرا کرتے تھے۔ ان ہی شعرائے کرام میں میرے ایک عزیز دوست سیّد محفوظ علی صابر بریلوی بھی تھے جن کو عنفوانِ شباب ہی سے شعر گوئی کا ذوق و شوق تھا، لیکن بہت جلد وہ تغزل کے میدان سے ہٹ کر نعت گوئی کی بسیط و عریض اور پاکیزہ دینا میں داخل ہوگئے۔ یہ فیضان تھا حضرت رضا بریلوی قدس اللہ سرہ سے وابستگی اور ارادت کا۔ بریلی اور بدایوں میں نعتیہ مشاعرے جیسا کہ عرض کرچکا ہوں بکثرت منعقد ہوتے تھے ان مشاعروں میں جہاں بزرگ شعرا حضرت جامی بدایونی، حضرت ضیاء القادری بدایونی شرکت فرماتے وہاں نوجوان شعرا میں حضرت جام نوائی شیوا بریلوی (مرحوم)، بندہ ناچیز شمس بریلوی، سید محفوظ علی صابر مرحوم بھی شریک ہوکر سعادت اُخروی کا سرمایہ فراہم کرتے۔ یہ سلسلہ برصغیر کی تقسیم تک قائم رہا اور نعتیہ شاعری کا آوازہ تمام ہند میں بلند سے بلند تر ہوتا رہا۔" (ص ۸-۹)

"قیامِ پاکستان کے بعد برِّصغیر کے مسلمان اس طرح بکھر گئے جس طرح شیرازہ ٹوٹنے پر کسی کتاب کے اوراق منتشر ہوجاتے ہیں۔ میرے رفیقِ دیرینہ اور ہم صحبت شاعر خوش نوا سیّد محفوظ علی صابر بھی (جن کو اب مرحوم لکھنا پڑرہا ہے) واہ کینٹ ضلع راولپنڈی میں

مقیم ہوگئے۔ اسباب وعلل کا مجھے علم نہیں یہاں آپ کے ذوقِ شاعری اور نعت گوئی نے بزمِ نعت واہ کینٹ میں جان ڈالی جو آج بھی سرگرمِ عمل ہے۔"

"محترمی سیّد محفوظ علی صابر بریلوی کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس اللہ سرہٗ سے بڑی عقیدت تھی۔ محبتِ رسولِ اکرم ﷺ تو ہر مسلمان کا سرمایۂ ایمان اور جان ایقان ہے خصوصاً آل رسول کے ناطے سے تو یہ محبت اور شرفِ غلامی اور بھی زیادہ سرمایۂ شیفتگی بن جاتا ہے اور سید محفوظ علی صابر اپنی سیادت کی بدولت اس سرمائے کے بھی امین تھے۔"(ص۱۰)

صابر القادری کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں، انتخابِ شمس بریلوی۔

چاند سا ٹکڑا جو دل سرمایہ کونین تھا
اک نظر میں اس کو نذرِ شاہ والا کردیا

دل ناداں کو دم دے دے کے یوں بہلائے جاتے ہیں
وہ چمکا دیکھ وہ چمکا کلس اب سبز گنبد کا

یہ کوشش ہے رہوں طیبہ خاک آستاں ہوکر
جدا سر سے وہ در، در سے جدا سر ہو نہیں سکتا

صابر مہجور اٹھ طیبہ کو چل سوئی قسمت کو یہاں روتا ہے کیا
عشق نبی میں اے دل تو یوں گذاز ہوجا

یعنی بلفظ دیگر خود شرح راز ہوجا
اے دل وہیں ملیں گے ذرہ نواز جلوے

شوق طلب میں گردِ راہ حجاز ہوجا
مقدر سے جو ہاتھ آیا ہے پتھر آستانے کا

جبیں سائی بنی میلہ مقدر آزمانے کا
بغیر عشق نبی، انسان! انساں ہو نہیں سکتا

مدلل ادعائے دین وایمان ہو نہیں سکتا
میری ہر سانس ان کے عشق میں ہے نغمہ زنی دل سے

کبھی چپ بربط نغمات پنہاں ہو نہیں سکتا
التفات چشم کشتی بان عالم چاہیے

ناؤ میری خود ہی لگ جائے گی ساحل کے قریب
اے جنوں دل جلوہ گاہِ دوست ہے

کھل نہ جائے پردۂ ہستی کا راز

صابر بریلوی کے یہ چند اشعار میں نے اس لیے پیش کیے ہیں کہ آپ کو ان کے جذبات کی شدت اور وارفتگیِ شوق کا اندازہ ہوجائے لیکن وہ اس وارفتگی شوق میں ان حدوں سے تجاوز نہیں کرتے، جو شریعت نے متعین کردی ہیں اور جن کا ملحوظ رکھنا عینِ ایمان ہے۔ اس لیے نعت گوئی بہت دشوار گزار مرحلہ ہے۔(ص۱۱)

"نمونہ کلام" بخشش رب"

حشر میں پردہ اٹھایا جائے گا
دیکھنا ہے کس سے دیکھا جائے گا

کب بلائے ہجر ٹالی جائے گا
کب حضوری میں بلا یا جائے گا

ہجرِ شہ میں کھا رہا ہوں غم کو میں
ہجر شہ کا غم مجھے کھا جائے گا

بے خودی آتے ہی ہوش اڑجائیں گے
ہوش جائیں گے تو ہوش آجائے گا

حضرت صابر کوئی جائے نہ جائے
بندہ ہر صورت میں بلایا جائے گا

حامی بھی، محمد بھی ہیں ، محمود بھی ہیں وہ
شاہد بھی شاہد بھی ہیں مشہود بھی ہیں وہ

دانستہ جو برگشتہ ہیں سرکار کے دیں سے
اخبث بھی ہیں کافر بھی ہیں مردود بھی ہیں وہ

وہ جن کے ارادوں میں ہے بطلان رسالت
بوجہل بھی، فرعون بھی نمرود بھی ہیں وہ

ہیں ذاتِ محمد میں جمع جملہ محامد
محبوبِ الٰہی بھی ہیں، محمود بھی ہیں وہ

بہارِ روضۂ جنت فدا ہے
مزار شہ کی وہ نوری فضا ہے

حبیب حق کا جو مدحت سرا ہے
بہشتی ہے وہ مقبول خدا ہے

احد احمد میں پردہ میم کا ہے
خدا کا راز کچھ اس میں چھپا ہے
گداؤ! جھولیاں بڑھ بڑھ کے بھر لو
درِ مولیٰ پر باڑا بٹ رہا ہے
تمنا ہے وہ پوچھیں میری حسرت
کہوں سرکار کا سب کچھ دیا ہے
تصدق روضہ پر نور کے میں
جہاں حق سربسر جلوہ نما ہے
اُن کی چشمِ لطف کا رب رہ گیا ہے آسرا
ہر نظر میرے لیے خونخوار ہو کر رہ گئی
لازمی رسوائیاں تھیں حشر میں صابر مگر
ان کی رحمت میری پردہ دار ہو کر رہ گئی

انتخاب "ارمغان حق"

الصلوٰۃ والسلام اے فخر جانِ اصفیا
الصلوٰۃ والسلام اے وقرِ شانِ انبیا
الصلوٰۃ والسلام اے رایت خلق و حیا
الصلوٰۃ والسلام اے آیت نطق و شفا
الصلوٰۃ والسلام اے عالمِ علمِ غیوب
الصلوٰۃ والسلام اے قاسمِ حلمِ قلوب
الصلوٰۃ والسلام اے وقرِ عالمِ وقرِ غیث
الصلوٰۃ والسلام اے فخرِ آدمِ فخرِ شیث
الصلوٰۃ والسلام اے شان ذیشان حمید
الصلوٰۃ والسلام اے جانِ قرآنِ مجید
الصلوٰۃ والسلام اے ساکنِ ارضِ حجاز
الصلوٰۃ والسلام اے ضامنِ فرضِ جواز
الصلوٰۃ والسلام اے سرہست باغ و کوہ
الصلوٰۃ والسلام اے عطر ست یاغ و فوہ
الصلوٰۃ والسلام اے حامد و عامر دے
الصلوٰۃ والسلام اے شاہد و صابر دے

درِ سرور ہے، سر ہے اور تصوّر
نماز اپنی زمانہ سے جدا ہے
مدینہ جانے والے! اُن سے کہنا
کوئی مہجور رستہ دیکھتا ہے
ہے لب پر جن کا نام پاک صابر
انہیں کا اپنے دل کو آسرا ہے

کس کی امت خلد کی حق دار ہو کر رہ گئی
فی الحقیقت امتِ سرکار ہو کر رہ گئی
جان میری سعی عشقِ شاہ میں کام آگئی
کون کہتا ہے اسے بیکار ہو کر رہ گئی
جس زمیں پر مصطفیٰ کاپائے اقدس پڑگیا
فی الحقیقت وہ زمیں گلزار ہو کر رہ گئی
کام اپنا کر گئی جب وہ نظر مائل ہوئی
جب پھری پھر کر چھری کی دھار ہو کر رہ گئی
دستکش ہے قوم مسلم دامنِ سرکار سے
یوں زمانے میں ذلیل وخوار ہو کر رہ گئی
آپ ہیں حلالِ مشکل اک نگاہ التفات
میری حسرت عقدہ دشوار ہو کر رہ گئی
اُن کی فرقت کی بدولت اُن کی دوری کے سبب
زندگی اک مستقل آزار ہو کر رہ گئی
لے بھی لے آغوش میں اے حلقہ چشم کرم
میری گردش گردشِ پر کار ہو کر رہ گئی

تضمین سلام رضا

حق نما نور وحدت پہ لاکھوں سلام
مرحبا شانِ رفعت پہ لاکھوں سلام
دل فزا نازِ فرحت پہ لاکھوں سلام
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

حُسنِ ماہِ مدینہ پہ احسن درود
زینتِ لطفِ حق سے مزین درود
فرقِ پُرنور پر نور افگن درود
مہرِ چرخِ نبوت پہ روشن درود
گلِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام

حسن تخلیق کونین زیبا عرق
تیرگی شوئے عصیاں مصفّا عرق
جلوۂ نور عرفاں مجلّی عرق
شبنم باغ حق یعنی رخ کا عرق
اس کی سچی براقت پہ لاکھوں سلام

عطفِ روحِ شرافت پہ اشرف درود
وصف اوصاف صفوت پہ اوصف درود
کشف اسرار قدرت پہ اکشف درود
نورِعینِ لطافت پہ الطف درود
زیب و زین نظافت پہ لاکھوں سلام

اُس کی باتوں کی صفوت پہ لاکھوں درود
اُس کی باتوں کی ندرت پہ لاکھوں درود
اس کی باتوں کی نعمت پہ لاکھوں درود
اُس کی باتوں کی لذت پہ لاکھوں درود
اُس کے خطبہ کی ہیبت پہ لاکھوں سلام

خاتم الانبیاء صرف ذاتِ جمیل
قاسم و نور حق دو جہاں کے کفیل
نادر و بے بدل، بے نظیر و خلیل
بے سہیم و قسلیم و عدیل وشیل
جو ہر فرد عزت پہ لاکھوں سلام

حامدہ، عابدہ، زاہدہ، ساجدہ
صابرہ، ذاکرہ، شاکرہ، عارفہ
عاطفہ، عادلہ، صادقہ، صالحہ
سیدہ، زہرہ طیبہ، طاہرہ
جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

شان پاک کبارت پہ اکبر درود
مظہرِ سر وحدت پہ اظہر درود
نورِ بعدِ ضلالت پہ انور درود
کثرت بعد قلت پہ اکثر درود
عزت بعد ذلت پہ لاکھوں سلام

نالہ و آہ شب خیز و بے کس کی جان
سینہ کاوی دل ریش پر مہر بان
درد مندوں کی فریاد کے قدر دان
دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

خمسہ بر قصیدۂ معراجیہ از الشاہ احمد رضا خاں بریلوی

بناؤ لاکھوں سجاؤ کے تھے، جہاں سارے سجے بنے تھے
بہاروحدت کے گل کھلے تھے نکھار زینت کے ہورہے تھے
جو قدسیوں کے پرے جمے تھے تو انبیا باادب کھڑے تھے
وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

وہ نوراوّل وہ نور نادر انہیں کا تھا حسنِ پاک وطاہر
جہاں باطن جہاں ظاہر، انہیں کے جلوے ہیں سب مناظر
جہات ستہ کے ہیں وہ آمر، سبھی پہ لاریب ہیں وہ قادر
نماز اقصیٰ میں تھا یہی سر، عیاں ہوں معنی اوّل آخر
وہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کرگئے تھے

◈ ◈ ◈ ◈ ◈

جَانیے

از افادات: امام احمد رضا محدث بریلوی
ترتیب: فرحان احمد قادری (مصطفوی شریعہ کالج، کراچی)

Abstract: Imam Ahmad Raza was a popular religious figure among the public and ulema. Ulema, Sufi masters and judges consulted him for rulings. Likewise masses approached him for solutions to daily-life affairs. This article presents a collection of Raza's rulings on those common questions from vol.24 (new edition) of *Fatawa-e Razavia*.

امام احمد رضا مرجعِ خواص و عوام تھے۔ آپ کے زمانے کے علما و مشائخ، والیانِ ریاست و جج صاحبان آپ کی طرف مسائل کے حل کے لیے رجوع کرتے تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ عام مسلمان بھی اپنے روز مرّہ کے معاملات میں آپ سے شرعی احکام معلوم کرتے۔ معارف رضا میں ان فتاوٰی کو "جانیے" کے عنوان سے پیش کیا جاتا ہے۔ اس ماہ کا انتخاب فتاویٰ رضویہ کی تخریج شدہ جلد ۲۴ سے ماخوذ ہے۔ بطورِ حوالہ متعلقہ صفحہ نمبر (قوسین) میں درج کردیئے گئے ہیں۔

جاندار کی تصویر

کسی جاندار کی تصویر بنانا بغیر کسی قید اور شرط کے حرام ہے، خواہ سایہ دار ہو یا بے سایہ، خواہ ہاتھ کی بنی ہوئی ہو یا محض عکس ہو۔ آقائے انس وجان ﷺ کے زمانۂ بابرکت میں لوگ دونوں قسم کی تصاویر بنایا کرتے تھے جو مجسمات کی صورت میں یا محض عکس اور سایہ کی صورت میں ہوتی تھیں۔ چنانچہ احادیث میں مطلق تصویر سازی پر نہی اور بغیر کسی تخصیص و تقیید کے سخت وعید وارد ہوئی ہے؛ لہٰذا تصویر کی تمام اقسام ممانعت میں داخل ہیں، اور بے سایہ تصویر کو جائز قرار دینا صرف بعض روافض کا مذہب ہے۔

چنانچہ ام المومنین سیدہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک دفعہ تصویر والا تکیہ خرید لائیں اور سید الانبیا ﷺ نے گھر میں تشریف لاتے ہی دیکھ لیا تو آگے جانے سے قدم مبارک روک لیے؛ ام المومنین نے ربِّ ذوالجلال کے محبوبِ مکرم کے چہرۂ مقدس پر غصے اور ناراضگی کے اثرات دیکھے تو بید کے درخت کی طرح لرزنے اور کانپنے لگیں اور عرض کرنے لگیں "اے اللہ کے رسول! میں اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں؛ مجھ سے کونسی خطا ہوئی ہے؟ یارسول اللہ میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع لاتی ہوں؛ میں نے کون سا قصور کیا؟ سرورِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا یقینا تصویر ساز قیامت کے دن عذاب دیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ اپنی بنائی ہوئی تصویروں میں جان (روح) ڈالو۔ اور ارشاد فرمایا کہ جس گھر میں تصویر ہو اس میں فرشتے نہیں آتے۔ بخاری و مسلم نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کو روایت کیا ہے ظاہر ہے کہ تکیہ پر تصویر تھی وہ عکسی اور نقاشی ہی ہوگی نہ کہ تراشیدہ مجسّمہ۔ (صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ)(صحیح البخاری، کتاب البیوع)

بلاشبہ اہلِ علم نے بلاقید مطلق تصویر کے حرام ہونے کی صراحت فرمائی ہے، چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں فرمایا ہمارے اصحاب اور دیگر علماءِ کرام نے فرمایا حیوانات کی تصویر بنانا شدید حرام ہے اور یہ کبیرہ گناہوں میں شامل ہے کیونکہ اس پر شدید وعید آئی ہے جو احادیث میں مذکور ہے خواہ کسی کپڑے پر تصویر بنائی جائے، کسی بچھونے پر بنائی جائے یا درہم و دینار اور سکے پر بنائی جائے یا ان کے علاوہ کسی بھی اور چیز پر تصویر کشی ناجائز، حرام اور شریعت کی خلاف ورزی کا ارتکاب ہے۔ علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں تصویر بنانا مطلقاً جائز نہیں اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت ہے۔ اسی میں بحرالرائق سے نقل ہے کہ تصویر سازی ہر حال میں حرام ہے کیونکہ اس میں تخلیقِ الٰہی سے مشابہت ہے، خواہ یہ کام کپڑے پر ہو یا کسی اور چیز پر مثلاً بچھونا، درہم دینار، برتن، دیوار اور کاغذ وغیرہ۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح المشکوٰۃ، کتاب اللباس)

تصویر والے کپڑے میں نماز

کسی جاندار کی تصویر جس میں اس کا چہرہ موجود ہو اور اتنی بڑی ہو کہ زمین پر رکھ کر کھڑے ہو کر دیکھیں تو اعضا کی تفصیل ظاہر ہو، اس طرح کی تصویر جس کپڑے پر ہو اس کا پہننا، پہنانا یا بیچنا، خیرات کرنا سب ناجائز ہے، اور اسے پہن کر نماز مکروہ تحریمی ہے جس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ ایسے کپڑے پر سے تصویر مٹادی جائے یا اس کا سر یا چہرہ بالکل محو کر دیا جائے۔ اس کے بعد اس کا پہننا، پہنانا، بیچنا،

خیرات کرنا، اس سے نماز، سب جائز ہو جائے گا۔ اگر وہ ایسے پکے رنگ کی ہو کہ مٹ نہ سکے دھل نہ سکے تو ایسے ہی پکے رنگ کی سیاہی اس کے سر یا چہرے پر اس طرح لگادی جائے کہ تصویر کا اُتنا عضو محو ہو جائے صرف یہ نہ ہو کہ اتنے عضو کا رنگ سیاہ معلوم ہو کہ یہ محو و منافی صورت نہ ہو گا۔

دنیا میں بت پرستی کی ابتدا یوہیں ہوئی کہ صالحین کی محبت میں ان کی تصویریں بنا کر گھروں اور مسجدوں میں تبرکاً رکھیں اور ان سے لذّتِ عبادت کی تائید سمجھی، شدہ شدہ وہی معبود ہو گئیں، صحیح بخاری و صحیح مسلم میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے آیہ کریمہ: وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۙ۬ وَّ لَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَ نَسْرًا ۚ (سُوْرَۃُ نُوح، آیت نمبر ۲۳) کافروں نے کہا ہر گز اپنے خداؤں کو نہ چھوڑو، اور ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو کبھی نہ چھوڑو۔ (القرآن الکریم)

اس کی تفسیر میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا یہ حضرت نوح (علیہ السلام) کی قوم کے نیک اور پارسا لوگوں کے نام ہیں، جب وہ وفات پاچکے تو شیطان نے بعد والوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ جہاں یہ لوگ بیٹھتے تھے وہیں اُن مجالس میں انہیں نصب کر دو (یعنی قرینے سے انہیں کھڑا کر دو) اور جو ان کے نام (زندگی میں) تھے وہی نام رکھ دو، تو لوگوں نے (جہالت سے) ایسا ہی کیا۔ پھر کچھ عرصہ ان کی عبادت نہ ہوئی، یہاں تک کہ جب وہ تعظیم کرنے والے مر گئے اور علم مٹ گیا (اور ہر طرف جہالت پھیل گئی) تو پھر ان کی عبادت شروع ہو گئی۔ (صحیح البخاری، کتاب التفاسیر)

عبد بن حمید اپنی تفسیر میں ابو جعفر بن المہلب سے راوی: ابو جعفر نے فرمایا: "ود" ایک مسلمان شخص تھا جو اپنی قوم میں ایک پسندیدہ اور محبوب شخص تھا جب وہ مر گیا تو سرزمین بابل میں لوگ اس کی قبر کے آس پاس جمع ہوئے اور اس کی جدائی پر بے قرار ہوئے (اور صبر نہ کر سکے) جب شیطان نے اس کی جدائی میں لوگوں کو بے تاب پایا تو وہ انسانی صورت میں اُن کے پاس آیا اور کہنے لگا میں اس شخص کے مرنے پر تمہاری بے قراری دیکھ رہا ہوں۔ کیا مناسب سمجھتے ہو کہ میں بالکل اس جیسی تمہارے لئے اس کی تصویر بنادوں، پھر وہ تمہاری مجلس میں رہے پھر اس کی تصویر دیکھ کر تم اسے یاد کرو۔ لوگوں نے کہا ہاں یہ تو اچھی تجویز ہے۔ پھر شیطان نے لوگوں کے لیے بالکل اسی جیسی اس کی تصویر بنادی اور لوگوں نے اسے اپنی مجالس میں سجا رکھا اور اس کی یاد کرنے لگے۔ پھر جب شیطان نے دیکھا کہ اس کے ذکر سے لوگوں کی جو حالت ہوتی ہے۔ پھر شیطان کہنے لگا کیا تم یہ مناسب کہتے ہو کہ میں تم میں سے ہر شخص کے لئے اس کے گھر میں اس کے بزرگ کا عکس تیار کر کے سجادوں تاکہ وہ اس کے گھر میں موجود رہو، اور تم سب لوگ (انفرادی اور اجتماعی طور پر) اس کا تذکرہ کرتے رہو۔ لوگ کہنے لگے ہاں یہ بالکل ٹھیک ہے۔ پھر اس نے سب گھر والوں کے لئے بالکل اسی جیسا اس کا ایک ایک فوٹو تیار کر دیا؛ پھر لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس کا فوٹو دیکھ کر اُسے یاد کرتے رہے۔ راوی نے کہا اور ان کی اولاد نے یہ دَور پالیا، پھر وہ دیکھتے رہے کہ جو کچھ ان کے بڑے کرتے رہے، اور پھر نسل آگے بڑھی (اور پھیلی) اور جب اس کے ذکر کا سلسلہ کچھ پرانا ہو گیا یہاں تک کہ جہالت سے پچھلے اور آنے والی نسلوں نے اسے خدا بنالیا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرنے لگے۔ (راوی نے کہا) سب سے پہلے زمین پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کی عبادت کی گئی وہ یہی بت ہے کہ جس کا نام لوگوں نے "وَد" رکھا ہے۔ (الدر المنثور)

نیز صحیحین بخاری و مسلم میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے: جب حضور ﷺ بیمار ہوئے تو آپ کی بعض بیویوں نے ایک گرجے کا ذکر فرمایا کہ جس کو ماریہ کہا جاتا تھا۔ چنانچہ سیدہ ام سلمہ اور ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما (اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہو) ملک حبشہ میں تشریف لے گئیں، پھر انہوں نے وہاں یہ گرجا دیکھا، دونوں نے اس کے حسن اور اس میں سجی تصویروں کا تذکرہ فرمایا، تو حضور اقدس ﷺ نے اپنا سر مبارک اٹھا کر فرمایا: جب ان لوگوں میں کوئی نیک اور صالح آدمی مر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے پھر ان تصویروں کو سجا کر اس میں رکھ دیتے وہی اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق ہیں۔ (صحیح البخای، کتاب الجنائز)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رحمت کے فرشتے اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا یا تصویر ہو (ائمہ محدثین مثلاً امام احمد، دوسرے ائمہ حدیث اور امام طحاوی نے حضرت ابو طلحہ سے اس کو روایت فرمایا،

نیز بخاری اور طحاوی نے حضرت عبداللہ ابن عمر، اور حضرت ابن عباس سے اس کو روایت کیا۔ امام مسلم، ابوداؤد، سنن نسائی اور طحاوی نے ام المؤمنین سیدہ میمونہ سے روایت کیا۔

اور اس میں کسی معظم دینی کی تصویر ہونا نہ عذر ہو سکتا ہے نہ اس وبال عظیم سے بچا سکتا ہے بلکہ معظم دینی کی تصویر زیادہ موجب وبال و نکال ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے گی اور تصویر ذی روح کی تعظیم خاص بت پرستی کی صورت اور گویا ملت اسلامی سے صریح مخالفت ہے۔ ابھی حدیث سن چکے کہ وہ اولیاء ہی کی تصویریں رکھتے تھے جس پر ان کو بدترین خلق اللہ فرمایا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر کون معظم دین ہو گا اور نبی بھی کون حضرت شیخ الانبیاء خلیل کبریا سیدنا ابراہیم علیٰ ابنہ الکریم وعلیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کہ ہمارے حضور اقدس ﷺ کے بعد تمام جہان سے افضل و اعلیٰ ہیں ان کی اور حضرت سیدنا اسمٰعیل ذبیح اللہ وحضرت بتول مریم علیہم الصلوٰۃ کی تصویریں دیوار کعبہ پر کفار نے منقش کی تھیں، جب مکہ معظمہ فتح ہوا حضور اقدس ﷺ نے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پہلے بھیج کر وہ سب محو کرادیں، جب کعبہ معظمہ میں تشریف فرما ہوئے بعض کے نشان کچھ باقی پائے پانی منگا کر بنفس نفیس انہیں دھویا اور بنانے والوں کو قاتل اللہ فرمایا اللہ انہیں قتل کرے،

پرندوں کا پالنا اور لڑوانا

لڑانا مطلقاً ناجائز و گناہ ہے کہ بے سبب ایذائے بے گناہ ہے۔ حدیث صحیح میں ہے رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کو (لڑائی پر) اکسانے اور آمادہ کرنے سے منع فرمایا ہے، ابوداؤد اور ترمذی نے اس کو روایت کیا ہے۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد)۔ (جامع الترمذی، ابواب الجہاد، باب فی التحریش بین البہائم)

اور جانورانِ خانگی مثل خروس و ماکیان و کبوترا ہلی وغیرہا کا پالنا بلاشبہ جائز ہے جبکہ انہیں ایذا سے بچائے اور آب و دانہ کی کافی خبر گیری رکھے۔ خود حدیث میں مُرغ سپید پالنے کی ترغیب ہے: امام بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مرغ نماز کے لئے اذان دیتا ہے جس کسی نے سفید مُرغ پالا وہ تین آفتوں سے محفوظ ہو گیا (۱) شیطان کے شر سے (۲) جادوگر کے شر سے (۳) کاہن کے شر سے۔ (کنز العمال)

مگر خبر گیری کی یہ تاکید ہے کہ دن میں ستر دفعہ پانی دکھائے کما ورد فی الحدیث (جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔) ورنہ پالنا اور بھوکا پیاسا رکھنا سخت گناہ ہے۔ کیونکہ یہ ظلم ہے اور کسی جانور پر ظلم کرنا ذمی (کافر) پر ظلم کرنے سے زیادہ سخت ہے جو کہ مسلمان پر ظلم کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے، جیسا کہ در مختار میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔

اور رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا انسان کے گناہ کے لئے یہی کافی ہے کہ جس کی روزی کا وہ ذمہ دار ہو اس کو ضائع کر دے۔ امام احمد، ابوداؤد، نسائی، حاکم اور بیہقی نے صحت سند کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کی روایت فرمائی۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب صلۃ الرحم)

رہا جانورانِ وحشی کا پالنا جیسے طوطی، مینا، لال، بلبل وغیرہا، عالمگیری میں قنیہ سے اس کی ممانعت نقل کی اگرچہ آب و دانہ میں تقصیر نہ کرے، جیسا کہ صاحب قنیہ نے کہا کہ کسی نے بلبل پنجرے میں قید کیا ہو اور اگر اسے آب و دانہ دے تب بھی جائز نہیں، القنیہ میں اسی طرح مذکور ہے۔ مگر نصِ صریح حدیث صحیح و اقوال ائمہ نقد و تنقیح سے صاف جواب و اباحت مستفاد ہے جبکہ خبر گیری مذکور بروجہ کافی بجالائے۔

سانپ کو مارنا

قتل سانپ کا مستحب ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے قتل کا حکم کیا ہے یہاں تک کہ اس کے قتل کی حرم میں اور محرم کو بھی اجازت ہے اور جو خوف سے چھوڑ دے اس کے لئے لفظ لیس منّی (وہ شخص مجھ سے نہیں)۔ (سنن ابی داؤد)

حدیث میں وارد، بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ ہم ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ غار میں تھے جبکہ آپ پر سورۂ مرسلٰت نازل ہوئی اور ہم نے اسی وقت آپ کے منہ مبارک سے اسے حاصل کیا جبکہ آپ کا مبارک دہن اس سے تروتازہ تھا، پھر اچانک وہاں ایک سانپ نکلا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اسے مار ڈالو۔ ہم نے اس کے مارنے میں بڑی جلدی کی لیکن وہ ہم سے سبقت کرتے ہوئے بھاگ گیا۔ اس پر

آپ نے یہ ارشاد فرمایا وہ تمہارے شر سے بچ گیا اور تم اس کے شر سے بچ گئے۔ (صحیح البخاری، کتاب ابواب العمرۃ)

اور اسی کے مثل مسلم ونسائی نے روایت کیا: صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ ابن عمر سے پوچھ رہا تھا کہ جب کوئی آدمی حالتِ احرام میں ہو تو وہ کون کون سے جانور مار سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ امہات المومنین میں سے ایک بی بی صاحبہ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بحالتِ احرام بعض جانوروں کو مارڈالنے کا حکم فرمایا اور وہ بعض یہ ہیں: (۱) کاٹنے والا کتا (۲) چوہا (۳) بچھو (۴) چیل (۵) کوا (۶) سانپ۔ ان سب کو مارڈالنے کا آپ حکم فرمایا کرتے تھے اور فرمایا: نماز میں بھی ان کے بارے میں یہی حکم ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الحج)

سننِ نسائی میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ پانچ جانور ایسے ہیں کہ انہیں محرم مار سکتا ہے: (۱) سانپ (۲) چوہا (۳) چیل (۴) سیاہ وسفید نشان والا کوا (۵) کاٹنے والا کتا۔ سننِ ابو داؤد میں حضور اکرم ﷺ سے روایت ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ پانچ جانور ایسے ہیں کہ انہیں حدودِ حرم میں بھی مارڈالنا حلال اور جائز ہے: (۱) سانپ (۲) بچھو (۳) چیل (۴) چوہا (۵) کاٹ کھانے والا کتا۔ (سنن النسائی، سنن ابی داؤد)

صحیح مسلم میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے محرم کو منٰی میں سانپ مارڈالنے کا حکم فرمایا نیز سنن ابی داؤد میں حضور اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمام سانپوں کو مارڈالو پھر جو کوئی ان کے خون کے مطالبے سے خوف کھائے وہ مجھ سے نہیں۔ (صحیح مسلم)

لیکن قتل اسی سانپ کا کہ سپید رنگ ہے اور سیدھا چلتا ہے یعنی چلنے میں بل نہیں کھانا قبل انداز وتحذیر کے ممنوع ہے۔

سننِ ابو داؤد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت ہے کہ تمام قسم کے سانپ مارڈالو مگر وہ سفید سانپ جو اس طرح نظر آئے کہ گویا وہ چاندی کی چھڑی ہے۔ امام زیلعی نے آنحضرت ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس سانپ کی پیٹھ پر دو سفید خط ہوں یا وہ چھوٹی دُم والا ہو اسے مارڈالو، لیکن سفید سانپ کو مارنے سے پرہیز کرو اس لئے کہ وہ جِنّات میں سے ہے۔ جامع ترمذی میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مبارک نے فرمایا اس سانپ کو مارڈالنا مکروہ یعنی ناپسندیدہ عمل ہے جو باریک ہوتا ہے جو دیکھنے میں چاندی کی طرح ہے اور اپنی چال میں بل کھاتے ہوئے نہیں چلتا۔ (سنن ابی داؤد، جامع الترمذی)

اور اسی طرح وہ سانپ جو مدینہ کے گھروں میں رہتے ہیں بے انذار وتحذیر کے نہ قتل کئے جائیں مگر ذوالطفیتین کہ اس کی پیٹھ پر دو خط سپید ہوتے ہیں اور ابتر کہ ایک قسم ہے سانپ کی کبود رنگ کوتاہ دم، اور ان دونوں قسم کے سانپوں کا خاصہ ہے کہ جس کی آنکھ پر ان کی نگاہ پڑ جائے اندھا ہو جائے، زنِ حاملہ اگر انہیں دیکھ لے حمل ساقط ہو کہ اس طرح کے سانپ اگر مدینۂ طیبہ کے گھروں میں بھی رہتے ہوں تو ان کا مارنا بے انذار کے جائز ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ مدینۂ منورہ میں کچھ ایسے جنّات ہیں جو مسلمان ہوگئے ہیں لہٰذا جو کوئی گھروں میں ان سے کسی کو آباد دیکھے تو تین مرتبہ انہیں آگاہ کردے اگر اس کے بعد بھی ان میں سے کوئی دکھائی دے یعنی وہ غائب نہ ہو تو اسے مارڈالا جائے اس لئے وہ شیطان ہے اھ۔ عوامر وہ ہیں جو گھروں میں رہتے ہیں اور لوگوں کو ایذا پہنچاتے ہیں اور اسی کی روایت میں ہے کہ ان گھروں میں کچھ رہنے والے سانپ ہیں اگر تم ان میں سے یہاں کسی کو دیکھو تو اسے تین مرتبہ نکل جانے کا کہو، اگر وہ چلا جائے تو فبہا ورنہ اسے مارڈالو کیونکہ وہ کافر ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مدینۂ منورہ میں کچھ جِن مسلمان ہوگئے ہیں اگر ان میں سے تم کسی کو گھروں میں دیکھو تو تین روز تک اسے متنبہ کرتے رہو، لیکن اس کے بعد بھی وہ اگر دکھائی دے تو اسے مارڈالو، اس لئے کہ وہ شیطان ہے۔ اور سنن ابی داؤد میں ہے اور قاضی عیاض نے فرمایا۔ (صحیح مسلم)

لیکن بعض علمانے قتل ان سانپوں کا کہ گھروں میں رہتے ہیں مطلقاً بے انذار کے ممنوع ٹھہرایا ہے اور منشاء اس کا اطلاقِ لفظِ بیوت ہے بعض احادیث میں ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر ہر قسم کے سانپوں کو مارڈالتے تھے یہاں کہ کہ ابولبابہ بن عبد المنذر بدری نے بیان فرمایا کہ حضور ﷺ نے گھروں میں رہنے والے سانپوں کو مارڈالنے سے منع فرمایا ہے تو پھر وہ اپنے اس عمل سے باز آگئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے گھروں میں رہنے والے سانپوں

کومارڈالنے سے منع فرمایا اھ۔ حدیث میں لفظ الجِنان حرف جیم کے زیر اور نون کے زبر کے ساتھ متلفظ ہے جس کے معنٰی سانپ کے ہیں یہ لفظ جان کی جمع ہے اور جان چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ باریک اور ہلکا پھلکا سانپ، اور یہ بھی کہا گیا کہ باریک اور سفید سانپ۔ امام نووی نے اسی طرح فرمایا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے گھروں میں رہنے والے سانپوں کے مارڈالنے سے ممانعت فرمائی۔(صحیح مسلم)

مگر یہ مذہب ضعیف غیر مختار ہے اور جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں مراد بیوت سے بیوتِ مدینہ ہیں، نہ بیوت مطلقاً اور احادیث مذکور جن میں اذن بیوت مقید ہے مفسر ان حدیثوں کے مفسّر ہیں۔ امام نووی نے فرمایا کہ امام مارزی نے فرمایا کہ مدینۂ منورہ کے سانپوں کو بغیر متنبّہ کرنے کے نہ مارا جائے، جیسا کہ ان احادیث میں آیا ہے، پھر جب انہیں تنبیہ کرے اور اس کے باوجود وہ غائب نہ ہوں تو پھر مارڈالے، لیکن جو سانپ مدینۂ طیبہ کے علاوہ باقی زمین، مکانات اور گھروں میں رہتے ہوں مستحب ہے کہ انہیں بغیر ڈرائے مارڈالا جائے۔ ان صحیح احادیث کی بناپر جو سانپوں کومارڈالنے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں امام نووی نے بھی فرمایا کہ اہل علم نے علی الاطلاق فرمایا ہے کہ سانپوں کومارڈالنے کے استحباب میں ان احادیث کو لیا گیا ہے، البتہ مدینۂ منورہ کے سانپوں کی انذار یعنی ڈراوے کے ساتھ تخصیص کی گئی ہے؛ یہ اس حدیث کی بناپر ہے جو مدینہ شریف کے بارے میں وارد ہوئی اور اس کا سبب وہ حدیث ہے کہ جس میں صراحت کی گئی کہ مدینۂ طیبہ میں جنّات کا ایک گروہ مسلمان ہوگیا ہے اھ۔(شرح صحیح مسلم مع صحیح مسلم)

امام نووی نے فرمایا کہ انذار کی کیفیت کے متعلق قاضی عیاض کا ارشاد ہے کہ ابنِ حبیب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت فرمائی کہ آپ فرماتے تھے کہ سانپوں کوڈرانے والا یوں کہے کہ میں قسم دلاتا ہوں اس عہد کی جو تم سے سلیمان بن داؤد(علیہما السلام) نے لیا تھا کہ ہمیں تکلیف نہ دو اور نہ ہمارے سامنے آؤ۔(شرح صحیح مسلم للنووی مع صحیح مسلم)

دوسرے یہ کہ اس طرح کہا جائے ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں بوسیلہ عہد نوح وعہد سلیمان ابن داؤد علیہم السلام کے کہ ہمیں ایذامت دے،

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب گھر میں کوئی سانپ دکھائی دے تو اس سے یوں کہو کہ ہم تجھ سے عہد نوح اور عہد سلیمان بن داؤد کے طفیل یہ سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ایذا نہ پہنچاؤ(اگر وہ یہ عہد نہ مانیں اور دوبارہ گھر میں ظاہر ہوں توانہیں مارڈالو) امام ابوعیسٰی ترمذی نے اس حدیث کوروایت کرکے فرمایا یہ حسن غریب ہے۔(جامع الترمذی)

تیسرے یہ کہ میں تمہیں قسم دلاتا ہوں اس عہد کی جو تم سے نوح علیہ السلام نے لیا، میں تمہیں قسم دلاتا ہوں اس عہد کی جو تم سے سلیمان علیہ السلام نے لیا کہ ایذامت دو، جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گھروں میں رہنے والے سانپوں کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ جب تم لوگ اپنے گھروں میں سانپوں کی طرح کوئی چیز دیکھو تو ان سے یوں کہو کہ میں تمہیں اس عہد کی قسم دلاتا ہوں جو تم سے حضرت نوح نے لیا تھا میں تمہیں اس عہد کی قسم دلاتا ہوں جو تم سے حضرت سلیمان نے لیا تھا (ان دونوں پر سلام) کہ ہمیں ایذامت دو۔(سنن ابی داؤد)

چوتھے یہ کہ لوٹ جا خدا کے حکم سے۔

پانچویں یہ کہ مسلمان کی راہ چھوڑ دے۔

امام طحاوی نے فرمایا کہ سانپ سے یوں کہا جائے کہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے واپس چلا جا، یا یوں کہا جائے کہ مسلمانوں کا راستہ چھوڑ دے، یا اس طرح کے کچھ اور الفاظ کے ذریعے اس سے چلے جانے کو کہے اھ ملخصاً(ت)

بالجملہ قتل سانپ کا مستحب اور سپید اور ساکن بیوت مدینہ کا سوا ذوالطفیتین اور ابتر کے بے انذار وتحذیر کے ممنوع ہے مگر طحاوی کے نزدیک بے انذار میں بھی کچھ حرج نہیں اور انذار اولیٰ ہے۔(الاشباہ والنظائر)

الاشباہ والنظائر میں ہے کہ امام طحاوی نے فرمایا کہ ہر قسم کے سانپوں کو بغیر ڈرائے مارڈالنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ حضور ﷺ نے جنّات سے عہد لیا تھا کہ میری امت کے گھروں میں نہ داخل ہونا اور نہ ان کے سامنے ظاہر ہونا، جب وہ اس عہد کی مخالفت کریں تو گویا وہ عہد شکنی کے مرتکب ہوئے لہٰذا ان کی حرمت باقی نہ رہی ہاں البتہ انہیں ڈرانا اور ہوشیار کرنا زیادہ بہتر ہے اھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شرعی کونسل آف انڈیا کا آٹھواں فقہی سیمینار

محمد یونس رضا مونس اویسی (جامعۃ الرضا، بریلی، انڈیا)

دنیا میں حوادث ونوازل کا بپا ہونا ایک بدیہی امر ہے، مگر ان کا حکم، شرع کی روشنی میں نکال کر اس پر عمل پیرا ہونا نہایت مشکل امر ہے، اتنا مشکل کہ جب تک ماہران فقہ وافتا، اپنی پوری علمی توانائی اس نوپید مسئلے پر صرف نہ کریں حکم شرع نہ بیان کر سکیں۔ انہی نوپید مسائل کے حل کے لیے مرکز اہلِ سنّت بریلی شریف میں "شرعی کونسل آف انڈیا" قائم ہے جس کے تحت ہر سال سہ موضوعاتی سیمینار لگاتار آٹھ سال سے منعقد ہو رہا ہے۔

حسبِ سابق اس سال بھی تین عنوان پر ۲۲، ۲۳، ۲۴/ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ/ ۲۴، ۲۵، ۲۶/ جون ۲۰۱۱ء کو "علامہ حسن رضا کانفرنس ہال" واقع مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا بریلی شریف میں سیمینار کا انعقاد ہوا جو پانچ نشستوں پر مشتمل تھا۔ پانچوں نشستیں تلاوتِ کلامِ پاک اور نعت پاک سے آغاز ہوئیں، ان کی صدارت ونظامت مندرجہ ذیل حضرات کے سپرد تھیں:

(۱) شہزادۂ صدرالشریعہ حضرت علامہ بہاء المصطفیٰ قادری صدر المدرسین جامعۃ الرضا، صدر
مولانا فیضان المصطفیٰ قادری استاذ جامعہ امجدیہ گھوسی، ناظم

(۲) محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری رضوی بانی جامعہ امجدیہ گھوسی، صدر
مفتی محمد اختر حسین علیمی استاذ دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی، ناظم

(۳) مفتی ولی محمد رضوی سربراہ سنی تبلیغی جماعت باسنی، صدر
مفتی آل مصطفیٰ مصباحی استاذ جامعہ امجدیہ گھوسی، ناظم

(۴) تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری مدظلہ بانی جامعۃ الرضا، صدر
مفتی قاضی شہید عالم رضوی استاذ مفتی جامعہ نوریہ بریلی شریف، ناظم

(۵) مفتی شبیر حسن رضوی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ روناہی، صدر
مفتی قاضی فضل احمد مصباحی بنارس، ناظم۔

پہلی نشست کا آغاز ہونے کے بعد شہزادۂ تاج الشریعہ مولانا محمد عسجد رضا قادری نے خطبۂ استقبالیہ پیش فرمایا۔ اس کے بعد حضور تاج الشریعہ مدظلہ العالی کا تحریر کرایا ہوا خطبۂ صدارت مولانا محمد شعیب رضا قادری نے پیش کیا پھر محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری نے خطبۂ تنقیح پیش فرمایا جس میں انہوں نے تمام مندوبینِ کرام کے مقالات پڑھ کر سب کا خلاصہ اور اپنا نظریہ پیش فرمایا۔

اس کے بعد تمام مندوبینِ کرام کے درمیان "ٹشو پیپر سے کھانے کے بعد ہاتھ پونچھنے اور استنجا کرنے کا حکم" اس موضوع پر گرما گرم بحثیں ہونے لگیں۔ ساڑھے گیارہ بجے رات مجلس، حضور تاج الشریعہ مدظلہ العالی کی دعاؤں پر اختتام پزیر ہوگئی۔ پانچویں مجلس میں مندوبینِ کرام کے درمیان بحث ومباحثہ کے بعد جو طے پایا، اسے بطور فیصلہ نوٹ کیا گیا اور تینوں فیصلوں پر ارکان فیصل بورڈ کے دستخط کے ساتھ جملہ مندوبینِ کرام کے دستخط لیے گئے، ان فیصلوں کی کمپوز کاپی بھی تمام مندوبینِ کرام کی خدمت میں پیش کر دی گئی۔ وہ فیصلے مندرجہ ذیل ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

میموری کارڈ، سی ڈی اور کمپیوٹر میں آیاتِ قرآنیہ ودینی معلومات وغیرہ کے محفوظ کرنے اور ایسی سی ڈی وغیرہ کا فیصلہ

(الف) میموری کارڈ اور سی ڈی، ہارڈ ڈِسک گراموفون کی طرح لہو ولعب کے لیے مخصوص نہیں ہیں بلکہ ایسا آلہ ہیں جس میں کسی قسم کی معلومات وآوازیں محفوظ کی جاسکتی ہیں اور کی جاتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ب) مذکورہ بالا چیزوں کو جائز کاموں کے لیے استعمال کرنا جائز اور ناجائز کاموں کے لیے ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ج) سی ڈی میں جو، اصوات و نقوش اور کتابت محفوظ کیے جاتے ہیں وہ بعینہٖ سی ڈی میں محفوظ نہیں ہوتے، بلکہ ان کے کچھ اعدادی کوڈ، اشاراتی انداز میں جمع ہوتے ہیں، اصوات و نقوش و کتابت سے مخصوص سافٹ ویئر اُن کو اخذ کر کے اسکرین یا اسپیکر پر اسی انداز میں ظاہر کرتا ہے جس انداز میں اسپیکر یا اسکرین میں بوقت جمع تھا، اس لیے سی ڈی و میموری کارڈ میں جو کچھ جمع ہوتا ہے وہ سب غیر مرسوم ہے تاوقتیکہ وہ اسکرین پر ظاہر نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(د) میموری کارڈ یا سی ڈی جس میں قرآنِ کریم کی تلاوت محفوظ ہو یا نہ ہو، اس میں میوزک یا کوئی ناجائز و حرام گانا اگرچہ میوزک کے ساتھ حمد و نعت ہی کیوں نہ ہو اُس کو جمع کرنے کا عمل ناجائز و حرام ہے۔ ایک سی ڈی یا میموری کارڈ میں مختلف فائلس ہوتی ہیں اگر کسی فائل میں میوزک وغیرہ ہو اور کسی فائل میں قرآنِ عظیم کی تلاوت یا کوئی شرع کے مطابق تقریر و وعظ یا نعت بے مزامیر ہو تو اس سی ڈی سے تلاوتِ قرآن مجید، شرعی مضامین کا سننا اسی شخص کے لیے جائز ہے جو حرام مضمون کی فائل کھولنے سے قطعی اجتناب کے وصف کا حامل ہو ورنہ اس سی ڈی سے مکمل اجتناب و احتراز لازم ہے کہ جسے نفس پر قابو نہیں اس پر واجب ہے کہ مُفْضِیْ اِلَی الْمُحَرَّمَاتِ سے پرہیز کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ہ) اسکرین پر جو مکتوب نظر آتا ہے وہ شعاعی نقوش قابل قرأت ہیں وہ مکتوب ہی ہیں اگرچہ کسی سبب سے وہ متبدل یا زائل ہو سکتے ہیں اس لیے جب تک وہ اسکرین پر نمایاں ہیں اگر آیات قرآنیہ ہیں ان کا بے وضو چھونا جائز نہیں کہ زجاجی رنگ کا غلاف اسکرین سے متصل ہے اور اسکرین کے عمل میں دخیل بھی ہے اور محدث (بے وضو) کو بے چھوئے پڑھنے میں حرج نہیں کما ھوالحکم فی مسّ المکتوب فی المصحف۔ پرانے قسم کے کمپیوٹر میں کئی زجاجی غلاف ہوتے ہیں باہر والا شیشہ اسکرین سے منفصل ہوتا ہے اسکرین پر آیاتِ قرآنیہ مکتوب ہوں تو باہر والے شیشہ کو محدث کو نہیں چھونا چاہیے کہ بظاہر وہ آیتیں اسی بیرونی شیشہ پر نظر آتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(و) کافی بحث و تمحیص کے بعد باتفاق رائے طے ہوا کہ سی ڈی میں جو کچھ جمع کیا جاتا ہے از قسم اعراض ہے مال نہیں اسی لیے اپنی سی ڈی سے دوسری سی ڈی میں پروگرام بنانے سے پہلی سی ڈی کا پروگرام نہ باہر ہوتا ہے نہ ضائع، مال ہوتا تو ضرور منتقل ہوتا پہلی سی ڈی میں نہ رہتا۔ اس لیے بالاتفاق یہ طے ہوا کہ اپنی سی ڈی میں مال کے عوض کسی سے پروگرام محفوظ کرانا اجارہ ہے ہرگز بیع نہیں اور یہی حکم سی ڈی و میموری کارڈ میں نیا پروگرام ضبط کرانے کا ہے؛ اور محفوظ کرنے والے نے اگر اپنی ہی سی ڈی میں یہ عمل کر کے سی ڈی بعوض کسی کو دی تو یہ سی ڈی کی بیع ہے جس میں پروگرام کی بیع سی ڈی کے ضمن میں ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ز) اسکرین پر جو کچھ کتابت و تصویریں نظر آتی ہیں وہ عکس نہیں ہیں بلکہ وہ بعینہٖ مکتوب و تصویر ہیں۔ عکس کو نگیٹیو (Negative) کہتے ہیں اور اسکرین پر جو نقوش، تصاویر ہیں وہ پوزیٹیو (Positive) ہیں شرعاً اُن کا حکم کاغذی تحریر و تصویر کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ٹشو پیپر کے متعلق احکام

(۱) ٹشو پیپر کاغذ ہی کی ایک قسم ہے جیسا کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) ٹشو پیپر کا استعمال کھانے کے بعد مکروہ ہے، بہار شریعت میں ہے ''کھانے کے بعد انگلیوں کو کاغذ سے پوچھنا مکروہ ہے'' (ج ۱۶/ ص ۱۱۹ مطبوعہ قادری کتاب گھر بریلی) فتاویٰ رضویہ میں ''محیط'' کی عبارت یکرہ استعمال الکاغذ فی ولیمۃ یمسح بھا الاصابع۔ پر مفتی اعظم ہند نوراللہ مرقدہ نے حاشیہ پر لکھا ''کھانے کے بعد کاغذ سے ہاتھ پوچھنا نہ چاہیے'' (ج ۱/ ص ۳۰/ رضا اکیڈمی) عالمگیری میں ہے: حکی الحاکم عن الامام أنہ کان یکرہ استعمال الکواغذ فی ولیمۃ یمسح بھا الأصابع وکان یشدد ویز جرعنہ زجر ابلیغا کذافی المحیط۔ (عالمگیری ج ۵/ ص ۵۸۸ مکتبہ ذکریا) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) ٹیشو پیپر سے استنجا مکروہ تحریمی ہے کہ استنجا کے لیے منصوص اشیا کے علاوہ ہر متقوم و محترم شے سے استنجا مکروہ تحریمی ہے؛ علاوہ ازیں سنّت نصاریٰ ہے اور ترکِ سنّتِ مؤکدہ کی عادت خود کراہت تحریم کی موجب ہے۔ در مختار میں ہے: وکرہ تحریما بعظم وطعام وروث

يابس كعذرة يابسة وحجر استنجى به، الابحرف آخر وآجرو خزف وزجاج وشئي محترم۔ علامہ شامی قدس سرہٗ السامی تحریر فرماتے ہیں: (قوله وشئي محترم) أي ماله احترام واعتبار شرعا فدخل فيه كل متقوم الاالماء كما قدمناه والظاهر أنه يصدق بما يساوي فلسالكراهة اتلافه كمامر (درمختار ورد المحتار، ج۱، ص۵۵۱و۵۵۲ذکریا) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴)ٹیشو پیپر کے استعمال پر نہ تعامل ہے اور نہ اس میں عموم بلوی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فیصلہ بابت مسائل حج

(۱)وہ عازمینِ حج فرض جو قرعہ میں نام آنے کے انتظار کے دوران مرض یا حادثہ یا مالی بحران کا شکار ہو کر حج ادا نہ کر سکیں تو وہ گنہگار نہیں کہ قرعہ اندازی میں نام نہ آنا عذر ہے۔ البتہ بعد صحت خود جانا اور عدم صحت یابی کی صورت میں حج بدل کرانا لازم ہے اور اگر حج بدل کرانے کے بعد خود صحت یاب ہو جائیں تو اب خود جانا ضروری ہے اور مالی بحران کی صورت میں قرض لے کر حج کو جائیں اور اگر موت کے آثار ظاہر ہوں تو وصیت کرنا لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) وہ عازمین حج جنہیں پرائیویٹ ٹورز سے حج میں جانے کی استطاعت ہوتی ہے مگر زائد خرچ سے بچنے کے لیے حج کمیٹی ہی سے جانا چاہتے ہیں اور اپنے نمبر آنے کا انتظار کرتے رہتے ہیں ایسے عازمین حج تاخیر کی وجہ سے گنہگار ہوتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳)اگر یہ عازمین حج یونہی انتظار کرتے ہوئے فوت ہو جائیں تو ان پر ترک حج کا گناہ ہوگا۔ مرض اور مالی بحران کی صورت میں فیصلہ نمبر(۱) میں مذکور عازمینِ حج کا حکم ان پر بھی نافذ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴)وہ عازمین حج ٹور سے جانے کی استطاعت رکھتے ہیں ان کو حکم ہے کہ قرعہ میں نام آنے کے لیے رشوت دینے کے بجائے ٹور سے جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵،۶،۷)کے جوابات آئندہ سیمینار تک کے لیے زیرِ غور ہیں۔

(۸)فرضیتِ حج کے لیے استطاعتِ مالی میں حج کمیٹی کے مصارف کا اعتبار ہے اور پرائیوٹ ٹور والے جو کرایہ کے سلسلے میں کم وبیش خرچ کا اعلان کرتے ہیں اور عازمینِ حج ان اسکیموں کے تحت روپیہ جمع کرتے اور حج کو جاتے ہیں تو یہ طریقہ شرعاً درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

آخری مجلس میں مندوبینِ کرام نے تحریری تاثر بھی عنایت فرمایا اور مشائخ نے بھی تاثراتی کلمات ارشاد فرمائے۔ حضرت مفتی شبیر حسن رضوی کو "شرعی کونسل آف انڈیا" کے فیصل بورڈ کا رکن بھی بنایا گیا، جسے انہوں نے قبول بھی فرمایا۔ مفتیانِ کرام نے اس پر انہیں مبارکباد بھی پیش کی۔ سیمینار میں فیصل بورڈ کے سابق رکن معتمد بزرگ بالغ نظر مفتی حضرت علامہ قاضی عبدالرحیم بستوی علیہ الرحمہ کو بھی یاد کیا گیا اور انہیں ایصالِ ثواب کیا گیا۔ یہ پررونق مجلس ۲۶؍ جون ۲۰۱۱ء کو ۱۲؍ بجے رات حضور تاج الشریعہ مدظلہ العالی کی دعاوصلوٰۃ وسلام پر اختتام پزیر ہوگئی۔

بعدہٗ حضور تاج الشریعہ ومحدث کبیر مدظلہما ودیگر علمائے کرام کے دستِ اقدس سے مرکزِ اہلِ سنّت کی آفیشل اُردو ویب سائٹ www.hazrat.org, www.alahazrat.in جسے جامعۃ الرضا کے درجۂ فضیلت کے طلبہ نے بنایا ہے، اس کا افتتاح فرمایا۔ فقط والسلام۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

یا الٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو
جب پڑے مشکل شہِ مشکل کشا کا ساتھ ہو
یا الٰہی بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو
شادیِ دیدارِ حسنِ مصطفےٰ کا ساتھ ہو
یا الٰہی جب سرِ شمشیر پر چلنا پڑے
رَبِّ سَلِّم کہنے والے غمزدا کا ساتھ ہو
یا الٰہی جب رضاؔ خوابِ گراں سے سر اٹھائے
دولتِ بیدارِ عشقِ مصطفےٰ کا ساتھ ہو

(حدائقِ بخشش)

دُور و نزدیک سے

قارئینِ معارفِ رضا کے خطوط، ای میل اور خبریں

امجد رضا امجد (پٹنہ، بہار، انڈیا)

السلام علیکم، آپ خیریت سے ہیں؟ حضرت سید صاحب قبلہ کی طبیعت کیسی ہے سنا ہے اب وہ گفتگو فرمانے کے قابل ہیں اور ہندوستان میں بھی انہوں نے بریلی شریف گفتگو کی ہے۔ میں بھی انتظار میں ہوں میرا سلام پیش کریں اور دعاؤں کی درخواست بھی۔۔ رضا بک ریویو کا رضویات کا اشاریہ نمبر شائع ہوگیا ہے مطبوعہ ارسال کروں گا۔ آئندہ نمبر محققین رضویات نمبر ہوگا اس سلسلہ میں بھر امداد کی ضرورت ہوگی۔ ادارۂ تحقیقات کی مطبوعات اب دیکھ نہیں پاتا۔ بڑی محرومی ہے۔ دعا فرمایں اور جواب سے نوازیں۔

سیّد محمد عبد اللہ قادری (واہ کینٹ، پاکستان)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اُمید ہے میرا پہلا خط مع مضمون مل گیا ہو گا۔۔! "معارفِ رضا" کے لیے ایک مضمون ارسالِ خدمت ہے۔ کسی اشاعت میں ضرور جگہ دیں۔ " سیّد محفوظ علی صابر القادری بریلوی" گرامی قدر صاحبزادہ سیّد وجاہت رسول قادری صاحب زید مجدہ، کی خدمت میں سلام مسنون!

www.imamahmadraza.net

گزشتہ ماہ پاکستان، انڈیا، امریکا، انگلینڈ، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، ماریشس، بنگلہ دیش، کینیڈا، جنوبی افریقہ، افغانستان، برازیل، کویت، آسٹریلیا، انڈونیشیا، ناروے، قطر، شام، بحرین، جرمنی، ڈنمارک، مصر، فرانس، آئرلینڈ، کینیا، سوئیڈن، چلی، چین، چیک ریپبلک، اسپین، جارجیا، گویانا، ہانگ کانگ، اٹلی، جنوبی کوریا، ملاوی، ملائیشیا، نیدر لینڈ (ہالینڈ)، عمان اور سنگاپور وغیرہ ممالک کے ۱۸۰ سے زائد شہروں سے ایک بڑی تعداد میں قارئین نے ادارے کی ویب سائٹ www.imamahmadraza.net ملاحظہ کی۔ ماشاءاللہ

دعوت برائے مقالہ نگاری

سالنامہ معارف رضا ۲۰۱۲ء (اُردو) میں اشاعت کے لیے مقالات ۳۱ر مئی ۲۰۱۲ء تک ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے دفتر میں بذریعہ ڈاک یا کوریئر جمع کرائے جاسکتے ہیں۔ مقالات بذریعہ ای میل imamahmadraza@gmail.com پر بھی بھیج سکتے ہیں۔ مقالہ ہائر ایجوکیشن کمیشن کے معیار کے مطابق ہو۔ مقالہ نگاروں کے لیے ہدایات معارف رضا کے آخری صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

دعوت برائے رضا ہائر ایجوکیشن پروجیکٹ

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا یونیورسٹی، کالجز اور مدارس کے اساتذہ، اسکالرز اور طلبا و طالبات کو امام احمد رضا اور متعلقاتِ رضا کے مختلف عنوانات پر تحقیق کی دعوت دیتا ہے۔ موضوع کے انتخاب سے مقالے کی تکمیل تک ادارے کی طرف سے راہنمائی اور مواد کی نشاندہی کی سہولت موجود ہے۔ خواہشمند افراد ادارۂ تحقیقات کے دفتر سے بذریعہ فون، ای میل یا ویب سائٹ رابطہ کریں۔

رضویات کے حوالے سے جرائد و رسائل میں شائع ہونے والے مقالات

(۱) ساجد علی ساجد رضوی، "اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں، ایک سوانحی خاکہ" ماہنامہ جہانِ رضا، جنوری ۲۰۱۲ء، لاہور، ص۷–۱۱۔

(۲) محمد شاہد القادری، مولانا، "امام احمد رضا اور اصلاح امت، "ماہنامہ جہانِ رضا"، جنوری ۲۰۱۲ء، لاہور، ص ۱۲– ۱۶۔

(۳) غلام مصطفیٰ رضوی، "۱۹۱۲ء کا اسلامی اقتصادی منصوبہ جس نے امت مسلمہ کو مثبت راہ دکھائی"، ماہنامہ کنز الایمان، دہلی، مارچ ۲۰۱۲ء۔

(۴) محمد سلیم اللہ جندران، ڈاکٹر، "امام احمد رضا خاں کا نظریۂ تعلیم، چیدہ چیدہ خصوصیات"، سہ ماہی العلم کراچی، الطاف نمبر، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۱ء اور اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۱ء، ص۷۸– ۸۶۔

(۵) عبد الحکیم شرف قادری، مولانا، "سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول بدایونی"، جام نور دہلی، جنوری، ۲۰۱۲ء، ص ۲۰–۲۷۔

(۶) محمد عیسیٰ رضوی، مولانا، "عید میلاد النبی ﷺ"، افادات: امام احمد رضا، ماہنامہ فیضان مصطفیٰ واہ کینٹ، فروری ۲۰۱۲ء، ص ۱۴–۲۹۔

(۷) اقبال احمد اختر القادری، "عاشق رسول ﷺ، مولانا احمد رضا خاں بریلوی"، ماہنامہ عقیدت، حیدرآباد، جنوری ۲۰۱۲ء، ص ۲۶–۲۹۔

(۸) رحمت علی عباسی، ''امام احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری''، ماہنامہ عقیدت، حیدرآباد، جنوری ۲۰۱۲ء، ص ۳۰–۳۲۔
(۹) محدث اعظم ہند سید محمد اشرفی جیلانی، ''یادگار منانا شرعاً کیسا ہے؟'' ماہنامہ کاروانِ قمر، فروری ۲۰۱۲ء، ص ۱۳–۱۶۔
(۱۰) محمد حسن علی رضوی، علامہ، ''امام اہلِ سنّت کے پیر و مرشد کی یاد میں''، ماہنامہ رضائے مصطفٰی گجرانوالہ، نومبر ۲۰۰۹ء، ص ۱۱۔
(۱۱) تقدس علی خاں، مولانا، ''قطب مدینہ کا تذکرہ مبارکہ''، ماہنامہ رضائے مصطفٰی گجرانوالہ، نومبر ۲۰۰۹ء، ص ۱۲–۱۳۔
(۱۲) راجا رشید محمود، ''اعلیٰ حضرت کی زمین میں (نعت)''، ماہنامہ نورِ الحبیب بصیر پور اوکاڑہ، فروری ۲۰۱۲ء، ص ۹۵۔
(۱۳) سید نعیم الدین مراد آبادی، صدر الافاضل، ''فضائل اہلِ سنّت''، ماہنامہ السعید ملتان، عید میلاد النبی ﷺ نمبر، جنوری ۲۰۱۲، ص ۸۰–۸۱
(۱۴) نسیم احمد صدیقی، مولانا، ''مسلک کیا ہے اور کونسا مسلک اختیار کیا جائے؟''، سہ ماہی آگہی سکھر، ربیع الاوّل ۱۴۳۳ھ، ص ۳۹–۴۶۔
(۱۵) محمد امانت رسول، قاری، ''بسم اللہ لوح تواریخ انتقال'' (شاہ یحییٰ حسن مارہروی کے وصال پر تاریخی مادے)، ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی، جنوری ۲۰۱۲ء، ص ۲۱–۲۲۔
(۱۶) محمد اعجاز انجم لطیفی، ڈاکٹر، ''اعلیٰ حضرت کی شاعری''، ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی، جنوری ۲۰۱۲ء، ص ۲۴–۲۸۔
(۱۷) غلام مصطفٰی نجم القادری، ڈاکٹر، ''مدارس اسلامیہ اور فکر رضا''، ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی، جنوری ۲۰۱۲ء، ص ۲۹–۳۳۔
(۱۸) محمد سلیم بریلوی، ''امام احمد رضا اور ردِ قادیانیت''، ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی، جنوری ۲۰۱۲ء، ص ۵۴–۶۲۔
(۱۹) ندیم احمد ندیم قادری نورانی، ''حضرت علامہ احمد مختار صدیقی میرٹھی۔۔۔ یادیں، باتیں''، روزنامہ نوائے وقت کراچی، ۶/ اپریل ۲۰۱۲ء۔

ادارے کی لائبریری میں موصول ہونے والے جرائد

ماہنامہ جہانِ رضا، لاہور (جنوری ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ عرفات، لاہور (فروری ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ مصطفائی نیوز، کراچی (دسمبر ۲۰۱۱ء)، ماہنامہ مصلح الدین، کراچی، (فروری ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ الاشرف، کراچی (فروری ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ محدث، لاہور (جنوری ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ جام نور، دہلی (جنوری ۲۰۱۲ء)، سہ ماہی العلم، الطاف نمبر، کراچی (جولائی تا ستمبر ۲۰۱۱ء اور اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۱ء)، ماہنامہ خبرنامہ ہمدرد، کراچی (جنوری ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ عقیدت، حیدرآباد (جنوری ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ الہام، بہاولپور (فروری ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ رضائے مصطفٰی، گجرانوالہ (فروری ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ المقصود، کراچی (جنوری ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ کاروانِ قمر، کراچی (فروری ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ زاویہ نگاہ، کراچی (فروری ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ النظامیہ، لاہور (فروری ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ مینارٹ، کراچی (انگریزی) فروری ۲۰۱۲ء، ماہنامہ فیض عالم، بہاولپور، (جنوری ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ آہنگ، کراچی، (جنوری ۲۰۱۲ء، ماہنامہ نورالحبیب، بصیر پور (فروری ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ السعید، ملتان (جنوری ۲۰۱۲ء)، سہ ماہی آگہی، سکھر، ربیع الاوّل ۱۴۳۳ء، ایمز (لندن) فروری مارچ ۲۰۱۲ء، ماہنامہ الاحیاء، لاہور (فروری ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ ضیائے حرم، اسلام آباد (فروری ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ سوئے حجاز، لاہور (فروری ۲۰۱۲ء)، ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلوی (جنوری ۲۰۱۲ء)۔

لائبریری ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا میں موصول ہونے والی کتب

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف / مرتب / مترجم	صفحات	ناشر
۱	اسلامی آداب و معاشرت	پروفیسر ڈاکٹر محمد فائق صدیقی قادری بدایونی	۱۶۰	شکیب پبلی کیشنز، کراچی
۲	اوائل الخیرات (عربی مع اردو ترجمہ)	عبدالغفور نامی؛ ترجمہ: ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں	۲۵۴	ادارۂ مسعودیہ، کراچی
۳	چاروں سلسلوں کا روحانی تعارف	ابو حماد محمد عبید اللہ ساجد	۲۴	مدرسۂ احیاء السنّہ، ضلع سرگودھا
۴	کتاب الدعوات والاذکار	مفتی محمد منظور احمد فیضی؛ تخریج: محمد اکرام فیضی	۱۴۴	انجمن ضیائے طیبہ، کراچی
۵	مرنے کے بعد مومن خاک ہو جاتا ہے؟	مولانا محمد شہزاد ترابی قادری	۸۰	زاویہ پبلشر، لاہور